

بچوں کے خالق

فرید عسقری



بچوں کے غالب

مرتبہ
فرید عسقری لکھنوی

ناشر
رنجیت پبلکیشنز ٹرولوک ناٹھ روڈ لاہور
قیمت دو روپیہ

حرف آغاز

بادجوہ ہزارہ رکاوٹوں کے گزشتہ نصف صدی میں اُردو زبان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اس زبان غالب پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ لکھا جائے گا نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں غالب کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں ان کی عظمت تسلیم کی جا چکی ہے اور ان کے مداح و ثنا خوانوں کی تعداد میں اضافہ ہر تاجارہا ہے۔

جس طرح ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن نے اُردو زبان کو جنم دیا ہے اور یہ زبان تیزی سے دنیا میں پھیل رہی ہے۔ غالب کی شخصیت بھی ہر مذہب و ملت کی آئینہ دار ہے اور ان کی مقبولیت دہر دہر عریزی بڑھتی جا رہی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو غالب سے کس طرح روشناس کرائیں تاکہ وہ بھی ہماری طرح غالب پر فخر کر سکیں۔ اس خیال کے تحت اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ آسان زبان میں غالب اور ان کے فن کو نمایاں کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ نئی نسل میں ادبی مذاق کس طرح پیدا کیا جائے اور ان کا ذہنی ماحول کدو کس طرح بلند ہو اور وہ ادب یا کلچر جو ہم کو غالب یا دوسری عظیم شخصیتوں سے ورثہ میں ملا ہے کس طرح نئی نسل کے ذہنوں میں محفوظ کیا جائے جو اب ایک ہی کچھ میں آتا ہے کہ جس طرح مرزا غالب نے کچھ پرانی اور کچھ نئی قدریں اپنا کر ایک نئی نسل اور ایک نئے راستے کی تلاش کی ہے ہم لوگ بھی کچھ نئی اور کچھ پرانی قدریں ساتھ لیکر چلیں اور ان سے نئی نسل کے چراغ جلا لیں۔

مرزا غالب کو بچوں سے روشناس کرنے اور ان کی شاعری و انشا پر داری کو اجاگر کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ ہم بچوں کو غالب کے دلچسپ حالات زندگی کے بارے میں بتائیں غلط

اور نثر لکھنے میں انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بچوں کو آگاہ کیا جائے بہت بازی یا دوسرے طریقوں سے بچوں کو غالب کے آسان اشعار یاد کرائے جائیں یہ کتاب دہشوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصہ میں مرزا غالب کی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات کا بیان ہے۔ مرزا غالب کی شاعری اور اس کی افادیت و انفرادیت۔ لطیف۔ انشا پر بازی۔ خطوط کی اہمیت اور دیگر تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے حصہ میں ایک ڈراما "باز میچہ اطفال" کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ڈراما غالب کی زندگی اور ان کے کردار کو ظاہر کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ تمام کالمے جو غالب کی نثر اور خطوط کی جان میں آجائیں۔ اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ اہل نظر خرد کریں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ ڈراما غالب کی شخصیت اور ان کی رنگارنگ زندگی کا آئینہ دار ہے۔ اس کے علاوہ غالب کی صدرالہ بری کے موقع پر بچوں نے جشن غالب بنا یا ہے اور تقریریں و مضامین پیش کئے ہیں۔ بہت بازی کا ایک مقابلہ بھی پیش کیا ہے جس میں بچوں نے صرف غالب کے اشعار استعمال کئے ہیں۔

اس کتاب میں بچوں کے اخلاق و کردار کو بلند کرنے کے لئے مرزا غالب کے بلند و پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اردو کے طالب علموں کے لئے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔ بہر کیف غالب کے درج ذیل شعر سے کتاب کا آغاز کرتا ہوں۔

باز میچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
(فرید عسقرتی)

پہلا باب مختصر حالات زندگی

نام
مرزا اسد اللہ خاں عرف نوشہ

تخلص
غالب

والد کا نام

عبداللہ بیگ خاں

تاریخ و پیدائش فاندان

مرزا، ۲۰ دسمبر ۱۸۹۷ء کو آگرہ شہر میں پیدا ہوئے

والدین قوم کے ترک تھے یہ قوم تلوار کی دھنی ہوتی
تھی ان کے فاندان میں یہ قائمہ چلا آتا تھا کہ باپ کی
جائداد میں بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا اور
سارا مال واسباب اور گھر بار بیٹی کو ملتا تھا۔ مرزا غالب
کے وارث شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندستان
تشریف لائے تھے مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی
تھی مرزا کے والد کا نام عبداللہ بیگ خاں تھا جنکی
شادی آگرہ میں ہوئی تھی اور انہوں نے اپنی تمام عمر
سسرال ہی میں گزاری تھی مرزا غالب آگرہ ہی میں پیدا
ہوئے تھے اور وہیں پرورش پائی تھی شروع میں انکے
والد جیسا کہ مرزا نے خود اپنے ایک خط میں لکھا ہے

لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے یہاں ملازم ہوئے تھے لیکن ان کو نوکری راس نہ آئی اور پھر آگرہ میں آکر بس گئے بعد میں آگرہ ہی میں ان کا انتقال ہوا مرزا کے والد کے انتقال کے بعد ان کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے ان کی پرورش کی ان کے چچا سرکاری فوج میں رسالدار کی جگہ پر ملازم تھے ان کے نام پر بطور تنخواہ دو پونوں کی جاگیر لکھی ہوتی تھی چچا کے انتقال کے بعد سات سو روپہ سالانہ مرزا کی پنشن مقرر ہوئی لیکن کچھ عرصہ تک یہ پنشن بند رہی۔ اس درمیان مرزا بہت پریشان رہے لیکن دوستوں کی کوشش سے یہ پنشن پھر جاری ہو گئی

تعلیم و تربیت

مرزا کے استاد کا نام شیخ معظم تھا۔ آپ کا شمار آگرہ کے مشہور استادوں میں ہوتا تھا۔ مرزا کو بچپن ہی سے تعلیم کا بہت شوق تھا۔ سات برس کی عمر میں وہ آگرہ سے دلی آنے جانے لگے تھے۔ دلی میں بھی انہوں نے عبدالصمد جو پہلے پارسی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے

ان کو اپنا استاد بنا لیا تھا۔ جن سے آپ نے فارسی زبان میں تعلیم حاصل کی۔ مرزا کی عمر جب چودہ برس کی تھی انہوں نے دو برس تک اپنے استاد عبد الصمد کے مکان پر مستقل قیام کیا۔ ملا عبد الصمد فارسی زبان کے علاوہ عربی زبان کے بھی ماہر تھے۔ مرزا غالب جسے ذہین طالب علم کے لئے دو سال کا عرصہ بہت تھا۔ انہوں نے اپنی ذہانت کا سکہ اپنے استاد پر اچھی طرح سے بھال لیا تھا۔ بچوں تم بھی مرزا غالب کی طرح ایک ذہین طالب علم بنو اور اپنی ذہانت کا سکہ اپنے استاد پر بچپن سے ہی بھال دو تاکہ تم اپنے استاد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکو اور استاد کی دعاؤں سے تم دنیا میں مرزا غالب کی طرح ایک نامور انسان بن سکو۔

بچپن

چونکہ غالب کا ناں نہال آگرہ میں تھا اور اس کے والد نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اس لئے غالب کا بچپن زیادہ تر آگرہ ہی میں گزرا۔ آپ بچپن ہی سے ذہین شوخ مزاج اور ہر دل عزیز تھے۔ آپ کو

بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا اس لئے زیادہ تر کتابیں
میرے پرلا کر پڑھتے تھے۔ آپ نے اس زمانے میں آنکھیں
دلیں جبکہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چرچا کم ہوتا ہی
تھا۔ آپ نے بچپن ہی سے فارسی میں باقاعدہ
تعلیم حاصل کی تھی یہ ایک نہایت مشکل کام تھا۔ حالانکہ
غالب کی شاعری کی ابتدا اردو شاعری سے ہوئی لیکن
آگے چل کر وہ نہ صرف اردو کے ایک عظیم شاعر ہوئے
بلکہ ان کا فارسی کلام بھی دنیا میں مقبول ہوا اور انہوں نے
فارسی نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے
جیسا کہ ایک جگہ خود لکھا ہے گیارہ سال کی عمر سے شعر
کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی درمیان انہوں نے فارسی میں
کچھ شعر لکھے تھے جو انہوں نے اپنے استاد شیخ معظم کو
جا کر سنائے۔ ان کے استاد نے ان کے اشعار کی بہت
تعریف کی اور ان سے کہا کہ تم اردو کے علاوہ فارسی
میں بھی شعر کہا کرو۔ اس طرح غالب نے فارسی زبان میں
گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ غالب کے
سے جب یہ پانچ سال کے تھے باپ کا سایہ اور جب
نوسال کے تھے پچھا کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ آپ کا ناناہال
جہاں آپ نے پرورش پائی تھی بہت خوشحال تھا۔

باپ اور بچا کے انتقال کے بعد غالب کے تانہا
 کی جائداد سے کافی فائدہ اٹھایا۔ انکا بچپن بہت
 ہی آرام سے گزرا۔ اس زمانے میں چونکہ دولت
 کی کمی نہ تھی خوب اٹلے تلے کئے لیکن ذہن تھے
 لہذا جلد ہی ہی سیدھے راستے پر آگئے اور بچپن ہی
 سے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے ان کے اشعار سن کر
 میر تقی میر جو اس دور کے بہت بڑے شاعر تھے۔
 پیشین گوئی کی تھی کہ اگر اس لڑکے کو کوئی اچھا استاد
 مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر چلنا سکھار دیا
 تو یہ لڑکا بہت بڑا شاعر بن جائے گا اور اتفاق سے
 مزا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ ان کو شیخ معظم اور ملا عبدالصمد
 جیسے استاد مل گئے غالب کے بارے میں ان کے
 لڑکپن کے زمانے میں جو پیشین گوئی میر تقی میر جیسے شاعر
 نے کی تھی وہ صحیح نکلی اور وہ جلد ہی ہی مشہور ہو گئے۔
 بچوں تم بھی غالب کے بچپن سے سبق سیکھو اور
 ان کی طرح اچھے استاد کی تلاش کرو اور اس کی تعظیم
 میں اپنا سہ جھکا سکو تاکہ تم بھی غالب کی طرح ایک قابل
 انسان بن سکو اور تمہارا شمار دنیا کے بڑے بڑے لوگوں
 میں ہو سکے۔

جوانی

دلی میں جن لوگوں نے غالب کی جوانی دیکھی تھی انکا کہنا تھا کہ ان کی جوانی کے زمانے میں ان کا شمار شہر کے حسین و خوبصورت لوگوں میں ہوتا تھا۔ سینہ چوڑا قد لانا اور ہاتھ پاؤں بہت مضبوط تھے۔ بچپن کی طرح ان کی جوانی بھی بہت عیش و عشرت سے گزری تھی۔

شادی

آپ کی شادی ۱۲۲۵ھ کو الہی بخش خاں معروف کے یہاں قرار پائی تھی آپ کی شادی تیرہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی چونکہ شادی دلی سے ہوئی تھی اسی لئے آپ نے یہاں سکونت اختیار کر لی تھی اور آخر عمر تک دلی ہی میں رہے۔

اولاد

مرزا صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا اس لئے

بہت دلوں تک وہ اور ان کی بیوی تنہا زندگی بسر کرتے رہے مگر غم سے چند سال پہلے جبکہ ان کی بی بی کے بھائی بھائی زین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا اور ان کے دونوں بچے ایک باقر علی اور دوسرے حسین علی خاں رہ گئے تو مرزا اور ان کی بی بی نے چھوٹے لڑکے کو جو اس وقت بہت کم عمر تھا گود لے لیا اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جب زین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

بوڑھا پاپا

انتقال سے کئی سال پہلے سے چلنا پھرنا بالکل کم ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات بلنگ پر پرے رہتے تھے۔ غذا بہت کم ہو گئی تھی لیکن اس عالم میں بھی دوستوں کے خطوں کا جواب ضرور دیتے تھے یا کسی دوسرے آدمی کو بتاتے جاتے تھے وہ لکھتا جاتا تھا۔ انتقال سے چند روز پہلے بیہوشی طاری ہو گئی تھی۔ آپ کا بڑھا پاپا بہت تنگ دستی میں گذرا جب کوئی دوست ان کی

خیریت لینے جاتا تو کہتے میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔
ایک آدھ دن بعد میرے پڑوسیوں سے پوچھنا۔

انتقال

آپ کا انتقال ۱۹۶۹ء کو تہتر برس اور چار مہینے کی
عمر میں ہوا اور درگاہ نظام الدین میں سپرد خاک کئے گئے۔
ان کے جنازے کی نماز میں کافی لوگ تھے ان کا برتاؤ
ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں رہا اس لئے ہر مذہب کے
لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی اور ہر فرقہ
کے لوگوں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

دوسرا باب

غائب اور ان کا کردار

اخلاق

مرزا غالب کا اخلاق بہت اچھا تھا۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے آتا تھا بہت کٹھا وہ بیٹھانی سے ملتے تھے جو شخص ایک بار ان سے مل آتا تھا اسکا دل غالب سے ملنے کو بار بار چاہتا تھا۔ بچوں تہا کی طرح ان کے بھی بہت سے دوست تھے اپنے دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کی خوشی ان کی خوشی ہوا کرتی تھی آپ دوستوں کے غم سے غمگین ہو جایا کرتے تھے ان کے دوست ہر مذہب و ملت کے تھے وہ اپنے دوستوں کو بڑے خلوص کے ساتھ خط لکھا کرتے تھے ان کے دوست ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ غالب کے لکھے ہوئے خطوط سے محبت اپنا پن اور غمخواری نکلتی تھی۔ دوستوں کے خطوط کا جواب دینا اپنا فرض سمجھتے تھے ان کا بہت سا وقت اپنے دوستوں کو خط لکھنے میں گذر جایا کرتا تھا جب کسی دوست پر مصیبت پڑتی تھی تو اس کو خاص طور سے خط لکھتے تھے ان کے دوست ان سے

بہت سی فرمائشیں کیا کرتے تھے جس کا پورا کرنا غالب
 اپنا فرض سمجھتے تھے دوستوں میں ان کے شاگرد بھی تھے
 جن کو غزلوں پر وہ اصلاح دیا کرتے تھے لوگ اکثر
 ان کو بیرنگ خط بھی بھجھا کرتے تھے لیکن ان کو کبھی
 ناگوار نہ گزرتا تھا جو شخص ان کے پاس لفافہ میں
 ٹکٹ رکھ کر بھجتا تھا تو سخت شکایت کرتے تھے اس طرح
 غالب کا اخلاق بہت بلند تھا ان کے خاص دوستوں
 میں مفتی صدر الدین آزاد مولوی امام بخش صہبائی
 مولانا فضل حق خیر آبادی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ۔
 مولوی عبداللہ خاں علوی نواب ضیاء الدین خاں نیر۔
 سید غلام علی وحشت حکیم مومن خاں مومن تھے۔ غالب
 کے شاگردوں کی کثرت ہندوستان میں بے شمار۔
 تھی ان کے اخلاق کی بلندی سے ان کے دوستوں
 اور شاگردوں کا دائرہ بہت بڑا تھا۔ ان کے شاگردوں
 میں نیر۔ عارف۔ سالک۔ مجروح۔ غلام علی خاں۔
 نواب مصطفیٰ خاں بہت مشہور تھے۔

مرآت

غالب بہت ہی بامرآت انسان تھے اپنے دوستوں

کی خدمت بجالانا اپنا فرض سمجھتے تھے آخر عمر میں جبکہ ان کی آنکھ کی روشنی بھی کم ہو چکی تھی اور بہت کمزور ہو چکے تھے انے شاگردوں کے اکتھار پر اصلاح ضرور دیتے تھے اور خود کہتے تھے کہ آنکھ سے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا نہیں جاتا پھر بھی لینے لینے اصلاح دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں باوجود اس کے بھی لوگ مرزا کو برابر سنانے رہتے تھے اور برابران کے پاس اصلاح کے لئے غزلیں بھیجا کرتے تھے

حوصلے کی بلندی

اگرچہ مرزا غالب کی آمدنی بہت کم تھی پھر بھی انکے دروازے سے کوئی بھی فقیر غالی ہاتھ نہیں واپس پرتا تھا۔ ان کے مکان کے سامنے اندھے بولے لنگڑے اور پااج لوگ ہر وقت بڑے رہتے تھے۔ تنگدستی کے عالم میں بھی غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی آمدنی سے زیادہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زیادہ تر مالی طور سے پریشان رہتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی آمدنی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار رہ گئی تھی وہ اپنے دوستوں کے

ساتھ جن کی مالی حالت اچھی نہ ہوتی تھی بڑا اچھا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دوست جن کی نذر کے بعد مالی حالت بہت بگڑ چکی تھی جب غالب کے پاس آئے تو آپ کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان کے بدن پر معمولی پھینٹ کے کپڑے تھے۔ غالب نے ان سے پوچھا کہ یہ پھینٹ آپ نے کہاں سے منگوائی ہے خدا کے واسطے یہ پھینٹ مجھ کو آپ منگواد دیجئے ان کے دوست نے فرمایا کہ یہ لباس آج ہی بن کر آیا ہے اور میں نے آج ہی اس کو لیا ہے اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے غالب نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر پہن لوں مگر جاڑا بہت زوروں کا پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا پہن کر جائیں گے پھر ادھر ادھر دیکھ کر کھونٹی پر سے اپنا نیا چوغہ اتار کر انہیں پہنا دیا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنا چوغہ ان کو نذر کر دیا بچوں تم بھی اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح پیش آیا کرو جس طرح مرزا غالب اپنے دوستوں کے ساتھ پیش آتے تھے۔

خودداری

بچوں خودداری بہت بڑی چیز ہے خوددار ہونا انسان کیلئے بہت ضروری ہے تم کو ہمیشہ غالب کی طرح خوددار رہنا چاہئے مرزا غالب بہت خوددار اور باوصف انسان تھے۔ اس کے باوجود ان کی آمدنی کم رہ گئی تھی خودداری کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دلی میں بڑے بڑے لوگوں سے ان کی جان بیجان سخی اس لئے بغیر پالکی کے باہر نہ نکلتے تھے جو لوگ ان کے مکان پر نہیں جاتے تھے وہ بھی کبھی ان کے گھر نہیں جاتے تھے اور جو شخص ان کے مکان پر آتا تھا وہ بھی اس کے مکان پر ضرور جاتے تھے۔

حق گوئی و حق پسندی

مرزا غالب بہت ہی صاف گو تھے جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی زبان پر ضرور لاتے تھے۔ جب کبھی ان کے کلام پر کوئی اعتراض کرتا تھا اور وہ اس اعتراض کو صحیح سمجھتے تھے تو وہ اس کو تسلیم کر لیتے تھے غالب کی حق گوئی و حق پسندی کی عادات بہت

حافظہ

غالب کا حافظہ بہت اچھا تھا غالب ہمیشہ کرائے پر کتابیں لا کر مطالعہ کرتے تھے ان کے گھر میں کہیں کتاب کا نشان نہ تھا پھر جو کتابیں یہ کرائے پر لا کر پڑھتے تھے وہ ان کے ذہن میں محفوظ رہتی تھیں۔ کتابوں میں جو بات کام کی نظر آتی تھی ان کے دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ فارسی کلام میں وہ کوئی لفظ یا محاورہ یا ترکیب ایسی نہیں استعمال کرتے تھے جس کی سند اہل زبان کے کلام سے نہ ملے سکتے ہوں جب لوگ ان کے کلام پر اعتراض کرتے تھے اس کے جواب میں دس دس بارہ بارہ سندی اساتذہ کے کلام سے لکھ کر بھیجتے تھے ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ رات کو شعر کہتے تھے اور جب کوئی کسر ہو جاتا تھا تو کمر بند میں ایک گرہ لگا لیتے تھے اس کی طرح آٹھ دس گرہ لگا کر سو رہتے تھے اور دوسرے دن صرف حافظہ کے زور پر تمام اشعار قلم بند کر لیتے تھے۔

شعر کا سمجھنا

کیسا ہی مشکل شعر یا مضمون ہوتا تھا وہ ایک سرسری نظر میں اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔

کتب دینی

مرزا حقائق و تصوف کی کتابیں اکثر پڑھتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ اکثر لوگ یہ مشکل مضامین کی کتابیں جن کا سمجھنا مشکل ہوتا تھا مرزا کے پاس لاتے تھے آپ مشکل سے مشکل مضمون کا مطلب بہت جلد ہی بتا دیتے تھے۔

اسلام کا یقین

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت سچے یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ بنیاد پر روزہ نماز نہ کرتے تھے لیکن کلمہ توحید پر ان کا مکمل یقین تھا انہوں نے تمام عبادات اور

فرائض میں صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توحید و جودہی اور دوسرے نبی اور اہل بیت کی محبت اور اس کو وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ لیکن ہر مذہب کے لوگوں سے محبت کرتے تھے۔

شعر کی تعریف کرنا

جس طرح آج کل ایک دستور چلا آیا ہے کہ جو شخص اپنا کلام سناتا ہے اس کے ہر ایک شعر پر خواہ اچھا ہو خواہ بُرا ہو زور دار آواز میں تعریف کی جاتی ہے اور اچھے اور بُرے شعر میں کچھ پہچان نہیں کی جاتی۔ مرزا کی عادت بالکل اس کے خلاف تھی کوئی کیسا ہی بڑا شاعر ہو جب تک اس کا کوئی شعر مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتے تھے آخر عمر میں تو ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب تک کوئی شعر ان کے دل میں نہ چمکتا تھا وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اور اچھے شعر کی بے اختیار تعریف کرتے تھے درحقیقت کسی کو خوش کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ شعر کی اچھائی ان کو بے اختیار کر دیتی تھی۔

مرزا غالب کی نظر

مرزا کی نظر بہت تیز تھی وہ اچھے بڑے شعر کو فوراً پہچان جاتے تھے وہ کبھی کسی کی نقل نہیں کرتے سمجھے کلام بیدل پر جو فارسی کے ایک شاعر تھے گہری نظر تھی وہ اچھے بڑے آدمی کو بھی بہت جلدی پہچان جاتے تھے۔

سماجی زندگی

غالب جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ دور بھی ایک انقلاب کا دور تھا۔ سماجی و سیاسی انقلاب رفتہ رفتہ اپنے قدم جما رہا تھا۔ دہلی میں بہادر شاہ ظفر پر اس انقلاب کا کافی اثر تھا غالب چونکہ ایک حساس انسان تھے اس لئے دہلی کی حالت سے بہت متاثر تھے پرانی قدریں مٹی چلی جاتی تھیں جس کا شکار وہ اپنے وہ اپنے خطوط میں کیا کرتے تھے۔ پھر بھی ان کی سماجی زندگی بہت بہتر تھی ہر مذہب کے لوگ ان کے دوست تھے۔

ملازمت

غائب نے کبھی بھی کوئی سرکاری ملازمت نہیں کی انکی خودداری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار دہلی کالج میں فاری کے ایک استاد کی جگہ خالی تھی سب سے پہلے آپ کو بلا یا گیا آپ بالکل پر سوار ہو کر صاحب سکریٹری کے ڈیرے پر پہنچے۔ سکریٹری صاحب کو اطلاع بھیجی انہوں نے فوراً بلا لیا مگر بالکل سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے مطابق صاحب کے سکریٹری انکو لینے کیلئے آئیں گے اس کے بعد جب بہت دیر ہو گئی اور صاحب کو معلوم ہوا کہ مرزا اس لئے نہیں آئے خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائیں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائے گا لیکن اس وقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا مرزا غائب نے جواب دیا کہ سرکاری ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا تھا کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ کہ موجودہ اعزاز میں فرق آئے اس لئے مجھ کو خدمت سے معاف رکھا جانے اور یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

خوشخطی و شعر خوانی

غائب کا خط نستعلیق بہت دلآویز تھا جیسا کہ اکثر ہل ایران کا ہوتا ہے آپ خوشخط اور بہت تیز لکھتے تھے شاعروں میں شعر پڑھنے کا انداز بھی بہت دلکش ہوتا تھا آپ اپنا کلام نہایت پرورد آواز میں پڑھتے تھے۔

خوراک

غائب کو گوشت بہت پسند تھا ایک وقت بھی بغیر گوشت کے کھانا نہیں کھا سکتے تھے صبح کو وہ اکثر شیرہ اوم پیتے تھے۔ آخر عمر میں ان کی خوراک بہت کم رہ گئی تھی ان کے کھانے میں صرف پاؤ گوشت کا قورمہ ایک پیالے میں بوٹیاں دوسرے میں شوربا ایک پیالی میں ایک پھلکے کا چھلکا۔ ایک پیالی میں کبھی کبھی نڈے کی زردی اور ایک پیالی میں تھوڑا سا وہی ہوتا تھا۔ شامی کباب یا سیخ کے کباب آپ کو بہت پسند تھے بھلوں میں آپ کو آم بہت پسند تھے آموں کی

فضل میں اُن کے دوست دور دور سے اُن کے لئے
عمدہ اُم بھیجتے تھے اور وہ خود اپنے دوستوں سے تقاضا
کر کے اُم منگواتے تھے۔

مرزا غالب کی ظرافت

اور

ان کے لطیفے

بچوں مرزا غالب نہایت پُر مذاق واقع ہوئے تھے
 ظرافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یہی وہ چیز تھی کہ
 کہ لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشاق
 رہتے تھے وہ زیادہ بولتے نہ تھے لیکن جو کچھ ان کی
 زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا اسی لئے
 بہت سے لوگوں نے ان کو حیوان ظریف کہا ہے۔
 حاضر جوابی اور بات میں بات پیدا کرنا انکی خصوصیات
 میں شامل تھا آج ہم تم کو مرزا غالب کے کچھ لطیفے
 سناتے ہیں جو بہت مقبول ہیں جن سے تم کو مرزا غالب
 کی ذہانت اور حاضر جوابی کا پتہ چلے گا۔

۱۔ گدھا اور آم

بچوں مرزا غالب کو آم بہت پسند تھے ان کے نزدیک
 آم سے اچھا اور کوئی پھل نہ تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ انکے
 ایک دوست حکیم رضی الدین خاں جو دلی کے ایک مشہور
 حکیم تھے ان کو آم نہ پسند تھے غالب کے گھر پہنچے
 ہوئے تھے۔ آسوں کا زمانہ تھا سامنے گلی میں آسوں کے
 چھلکے پڑے ہوئے تھے ایک گدھے والا ادھر سے اپنے

گدھے لئے ہوئے گزر رہا تھا ایک گدھے نے رک کر
 ام کے جھلکے سونگھے اور آگے بڑھ گیا یہ دیکھ کر
 حکیم صاحب نے مرزا غالب کو مخاطب کر کے سکراتے
 ہوئے فرمایا۔ دیکھو مرزا تم آسوں کی بڑی تعریف
 کرتے ہو مگر ام ایسی بخیر ہے کہ اسے گدھے بھی نہیں
 کھاتے۔ — مرزا غالب نے نہایت سنجیدگی سے
 فرمایا۔ — جی ہاں۔ بے شک گدھے ام نہیں کھاتے۔

۲۔ پیر دا بنے کی اجرت

ایک دن شام کو مرزا صاحب پلنگ پر دراز
 تھے کہ اتنے میں میر ہمدی مجروح آگئے اور محبت
 سے مرزا کے پاؤں دا بنے لگے مرزا نے لاکھ کہا
 کہ تو سپید زاوہ ہو کر پاؤں دباتا ہے مجھے کیوں
 گناہ گار کرتا ہے لیکن میر ہمدی عقیدت میں برابر
 پاؤں دا بنے رہے جب مرزا صاحب نے بہت
 زور دے کر منع کیا تو میر ہمدی مجروح ہوئے۔ اگر
 آپ کو ایسا خیال ہے تو پاؤں دا بنے کی اجرت
 دے دیجئے گا۔ مرزا صاحب نے فرمایا خیر یہاں تک

کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب میر تمہدی پاؤں داب چکے تو بولے لائیے حضرت میری اجرت دلو ایسے۔
مرزا صاحب نے کہا۔۔۔ واہ بھئی۔ اماں اجرت کسی تم نے میرے پاؤں دابے میں نے تمہاری اجرت دابی۔ دونوں برابر ہو گئے

۳۔ مسٹھو بیٹے

ایک بار جاڑے کے زمانے میں طوطے کا پنجرہ مانتے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے مارے پروں میں اپنا منہ چھپائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ مرزا صاحب نے طوطے کی یہ حالت دیکھ کر کہا۔۔۔
میاں مسٹھو نہ تمہارے جو رو نہ بچتے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو۔

نماز عورتیں کیوں پڑھتی ہیں

ایک روز کسی مجلس میں نماز کا ذکر عمل نکلا مرزا صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ کیوں صاحب ہم تو

مرد ہیں ہمارا نماز پڑھنا ٹھیک ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے کہ پڑھتے ہیں کہ جنت میں ہمیں حوریں ملیں غلمان ملیں۔ یہ عورتیں بھاری آخر کیوں نماز پڑھتی ہیں اور انہیں کس کی تلاش ہے۔

۵۔ غلام گردش

ایک دن مرزا غالب فتح الملک بہادر سے ملنے ان کے یہاں گئے اور جب غلام گردش میں پہنچے تو خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی کہ مرزا نوشتہ صاحب آرہے ہیں وہ کسی کام میں مشغول تھے اس لئے مرزا صاحب کو فوراً نہ بلا سکے مرزا صاحب کچھ دیر وہیں ٹہلتے رہے بعد میں صاحب عالم نے پکار کر ملازم سے فرمایا کہ — ارے مرزا صاحب کہاں ہیں مرزا غالب نے یہ سن کر وہیں سے جواب دیا — غلام گردش میں ہے۔ یہ سن کر صاحب عالم خود تشریف لے آئے اور فوراً مرزا صاحب کو اپنے ساتھ اندر لے گئے

۶۔ مفتی صدرالدین خاں

ایک مرتبہ اپنی بہن خانم کی بیماری کو سن کر مرزا صاحب ان کی عیادت کو گئے اور پوچھا۔ کیا حال ہے۔ وہ برہن مرقی ہوں البتہ قرص کی فکر ہے کہ گردن پر لٹے جاتی ہوں مرزا صاحب نے کہا کہ بڑا بھلا یہ کیا فکر ہے خدا کے یہاں کیا مفتی صدرالدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پڑھالیں گے یہ سن کر بہن ہنس دیں۔

۷۔ فرق مذکر و مؤنث

دنی میں بہت سے لوگ رہتے کہ بہ تذکیر بولتے تھے اور بعض لوگ بہ تانیث۔ ایک بار کسی صاحب نے مرزا سے پوچھا کہ تھ مؤنث ہے یا مذکر۔ مرزا صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ بھیا جب کہ تھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو تانیث کہو اور جب مرد بیٹھے ہوں تو مذکر کہو۔

۸۔ معنوی پوتے

ایک بار منشی ہرگوپال تفتہ نے مرزا صاحب کو رنگین عبارت میں لکھا۔ شاید میرا کلام دیکھنے سے آپ کو زحمت ہوتی ہے اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے مرزا صاحب نے انہیں جواباً لکھا۔ یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے میرے پوتے ہوئے۔ سیرے پاس آ رہے ہیں اور تجھ کو سنا رہے ہیں اور میں تھل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جب عالم صورت کے پوتوں سے جو مجھ کو کھانا کھانے نہیں دیتے۔ مجھے دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں سیرے پلنگ پر رکھتے ہیں کہیں پانی لندھا ہاتھیں کہیں خاک اڑاتے ہیں میں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں۔

۹۔ ہاں ہوں

آخری ایام میں مرزا صاحب کی سماعت کمزور پڑ گئی تھی وہ کچھ کم سننے لگے تھے ایک روز ان کے شاگردوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی نقل سماعت کا علاج کیوں نہیں کرتے اس پر مرزا صاحب نے جواب دیا کہ دو دوہوں سے۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں بہشتی ہو گیا اور دوسرے مرنے کے بعد جب تکیرین سوال کریں گے۔ مَنْ تَبْتَكَ وَمَا دِيْنُكَ تو عذر گراں گوشہ سے ہاں ہوں کر کے ٹال دوں گا۔

۱۰۔ باہر سے آجاتے ہیں

ایک بار دہلی میں رات گئے کسی مشاعرے سے یا دعوت سے مرزا صاحب مولانا فیض الحسن فیض بہار پوری کے ہمراہ واپس آ رہے تھے راستے میں ایک تنگ اور تاریک گلی سے گزر رہے تھے کہ آگے وہیں ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا فیض نے یہ دیکھ کر کہا۔ مرزا صاحب

دلی میں گدھے بہت ہیں۔ مرزا صاحب نے بے ساختہ فرمایا۔ نہیں صاحب باہر سے آجائے ہیں۔ مولانا فیض الحسن فیض مہارنپوری جھینپ کر چُپ ہو رہے۔

۱۔ وہ یہی کوٹھڑی ہے

مرزا صاحب جس مکان میں رہتے تھے اس مکان میں دروازے کی چھت پر ایک کمرہ تھا اسی کمرے کے ایک جانب ایک تنگ دتاریک کوٹھڑی تھی جس میں ہمیشہ فرش بچھا رہا کرتا تھا، گرمیوں کے موسم میں مرزا اکثر ٹو دھوپ سے بچنے کے لئے اس کوٹھڑی میں سہ پہر کے تین چار بجے تک بیٹھے تھے۔ ایک دن اتفاق سے رمضان کے چھینے میں مرزا صاحب اسی کوٹھڑی میں بیٹھے کسی کے ساتھ شطرنج یا چوسر کھیل رہے تھے کہ مفتی صدرالدین آزرہ دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے چلے آئے۔ مرزا کو اس طرح رمضان کے چھینے میں شطرنج یا چوسر کھیلتے دیکھ کر مفتی صاحب نے کہا۔ مرزا صاحب ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے چھینے میں شیطان مقید رہتا ہے مگر آج اس حدیث کی صحت میں کچھ شبہ سا ہو رہا ہے۔ مرزا نوشتہ نے

برجستہ جواب دیا۔ قبلہ حدیث بانگل صحیح ہے مگر بات یہ ہے کہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی ہے۔

۱۲۔ آدھا مسلمان

مرزا غالب کو بھی غدر کے ہنگامے کے بعد جب بکرا دھکڑی شروع ہوئی تو بلا یا گیا۔ یہ کرنل براؤن کے رد بروپیش ہوئے تو وہی کلاہ پیاخ جو یہ پہنا کرتے تھے حسب معمول ان کے سر پہ تھی۔ اس کو دیکھ کر کرنل براؤن نے کہا — دل مرزا صاحب تم مسلمان ہے؟ مرزا صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ آدھا مسلمان ہوں۔ کرنل براؤن نے کہا — آدھا مسلمان کیا — اس کا مطلب؟ مرزا صاحب بولے۔ آدھا یوں کہ شراب پیتا ہوں، سو رہتیں کھاتا یہ سن کر کرنل براؤن بہت محظوظ ہوا اور مرزا صاحب کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

مرزا غالب کی نثر

اور

ان کے خطوط

جیسا کہ سولانا عالی نے اپنی کتاب یادگار غالب میں لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے لیکن جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے اور تہہ تن ہر نیروز کے لکھنے میں مصروف ہو گئے اس لئے ان کو اردو زبان میں خط و کتابت کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی۔ پہلے وہ فارسی میں خطوط بڑی محنت سے لکھتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ زبان فارسی میں خطوط کا لکھنا پہلے سے متروک ہے ضعیفی کی وجہ سے مجھ میں آپ اتنی محنت کرنے کی سکت نہیں رہی۔

شروع شروع میں اردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا شاید اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے لیکن بعد میں ان کے اردو ہی کے خطوط ان کی شہرت اور مقبولیت کا باعث ہے۔ جہاں تک دیکھا گیا ہے کہ مرزا کی نام شہرت ہندوستان میں جس قدر ان کی اردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظر اردو اور فارسی اور نثر فارسی سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ لوگ مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے۔ اور ان کے اردو دیوان کو بھی عام فہم سے

بالا تر سمجھتے تھے۔ اگرچہ مرزا کی اُردو نثر کی قدر بھی جیسی کہ چاہیے ویسی نہیں ہوئی پھر بھی اس زمانے میں انکی نثر کے قدرواں بہت زیادہ تھے مرزا کی نثر میں زیادہ تر خطوط واقعات ہیں۔ آپ کے خطوط بہت دلچسپ ہوتے تھے ان کی اُردو خط و کتابت کا طریقہ سب سے انوکھا ہوتا تھا۔ ان سے پہلے کسی نے بھی ان کے خط و کتابت کا رنگ نہیں اختیار کیا تھا اور نہ ان کے بعد کوئی پوری تقلید کر سکا ہے۔ انہوں نے القاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ نہیں اختیار کیا ہے۔ وہ خط کو کبھی بیاباں کبھی برخوردار کبھی بھائی صاحب کبھی مہاراج کبھی کسی اور مناسب لفظ سے شروع کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر اپنا مقصد لکھتے تھے ان کے خط لکھنے کا طریقہ بالکل انوکھا تھا۔ جس کو خط لکھتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے بات چیت کر رہے ہیں جیسے۔ اجی حضرت ابھی نہیں آج جانا ہوگا۔ آج ضرور جائینگے تیاری کر رہا ہوں۔

مرزا کے خطوط سے ان کی شخصیت کی بلندی۔ آنکے کردار کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ مرزا کے خطوط انکی زندگی ان کی انسانیت دوستی ان کی وضع داری

اجباب سے بے لوث محبت کے آئینہ دار ہیں بہت سے خطوں بالکل نجی حیثیت رکھتے ہیں وہ اپنے دل کی باتوں کو بیان کرتے تھے اور جو باتیں مجلس میں پاس مروت سے نہ کہہ سکتے تھے خطوں میں ناوابستہ طور سے بیان کر گئے ہیں خیال خاطر اجباب کو وہ آخری عمر تک برتتے رہے اس کا اندازہ کچھ اس خط سے نمایاں ہے جو منشی گوپال المصاحب مرزا لفظہ کو ان کے کسی خط کے جواب میں بھیجتے ہوئے لکھا ہے۔

تمہارا خط آیا۔ راز نہانی مجھ پر آشکارا ہوا۔ میں سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو اب معلوم ہوا حق بجانب تمہارے ہے۔ میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اسے دل تو اپنے کو اس عزیز کی۔ جاگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا تو اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا۔ عیاذ باللہ اب میں تم کو کیوں کہہوں کہ یہ بے حرستی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو۔ بلکہ یہ بھی زائد ہے جو دوست سے کہے ہمارے واسطے اس کو ترک کر۔ بہر حال دوست کی دوستی سے کام اس کے افعال سے کیا عرض جو محبت و اخلاص ان میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں

رہے۔ ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ ہی۔
 یہ اور اسی طرح کے بہت سے خطوط سے غالب کی
 نہ صرف عزت نفس۔ وسیع و نظری۔ رواداری کا اندازہ
 ہوتا ہے بلکہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہی بات
 کہنے کی ہو جو انہوں نے کہہ دی اور ویسے ہی کہہ دینے
 کی ہو جس انداز سے تحریر میں لائی گئی ہے غدر کے زمانے
 میں غالب نے اپنے ایک دوست کو اس طرح خط لکھا۔

یہاں شہر ٹھہ رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار۔
 خاص بازار اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے
 خود ایک قصہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ برسات بھر
 سینہ نہیں برسنا۔ اب ٹینٹہ و کلید کی طغیانی سے مکانات
 گر گئے۔ غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔

غالب کا مندرجہ بالا خط ایک تاریخی دستاویز سے
 کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس وقت کی حالت پر روشنی ڈالتے
 ہوئے غالب نے قربان علی بیگ سالک کو ایک خط لکھتے
 ہوئے لکھا۔ جس میں انہوں نے اپنی دینی و مالی پریشانیوں کی
 تصویر کھینچی ہے۔

یہاں خدا سے بھی توقع نہیں۔ مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ
 بن نہیں آتی آپ اپنا تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے

خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے آپ کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دیکھ مجھے پہنچتا ہے کتا ہوں غالب کے ایک جوتی اور لکی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی واں ہوں آج دور دور تک ہر جواب نہیں۔

غالب نے خطوط کو ملاقات کا ذریعہ بنا کر جس انداز بیان میں گفتگو کی ہے ان سے دلچسپ سگالہ کا لطف ملتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہدم کے سامنے دل کی باتیں کھول کر رکھ رہا ہو اور اپنے غم و سرخوشی کا اظہار کر رہا ہو اور قاری بجائے خود سامنے بن کر سن رہا ہو۔ میر مہدی حسن مجروح سے ایسی ہی ایک ایک گفتگو میں فرماتے ہیں۔

اے جناب میرن صاحب السلام علیکم! حضرت آداب کہو صاحب! آج اجازت ہے۔ میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو حضور کیا میں منع کیا کرتا ہوں۔ میں نے تو عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا صرف پیش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔ نہیں میرن صاحب اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے وہ خطا ہوا ہوگا جواب لکھنا ضرور ہے۔

حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہوگا
 بھیا آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں
 باز رکھتے ہو سبحان اللہ اے کہ حضرت آپ تو خط نہیں
 لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم
 باز نہیں رکھتے۔ مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں
 میر جہدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے کہ جب
 آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں خط اٹھاتا اب جو
 میں دباں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جا رہے۔
 میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے
 تین دن کے بعد آپ خط شرق سے لکھے گا۔ میاں بھیڑو!
 ہوش کی خبر تو تمہارے جانے نہ جاننے سے مجھے کیا علاقہ
 میں بوڑھا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور آج تک اسنے
 خط نہیں لکھا۔ لا حول ولا قوۃ۔

غائب مخاطب کو غائب سمجھ کر، جو حاضر ہے اس سے
 کلام کرتے ہیں بیان کی شوخی ایسی ہوتی ہے کہ ہر لحظہ دھوکا
 ہو کہ جس سے مخاطب ہیں وہی مکتوب الیہ ہے تو دراصل
 ایسا نہیں ہے۔

غائب اکثر زمانہ ماضی کے تصور کو حال کی جیتی جاگتی
 تصویر بنا کر پیش کر دیتے تھے۔ میرسرفراز حسین کو ایک

خط میں زمانہ ماضی کی دلکش یادوں کی یاد دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمہارے دستی خط نے سیرے ساتھ وہ کیا جو بوسے ہیرین نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔ ساں پر ہم تم بڑھے ہیں یا جوان ہیں تو انا ہیں یا نا تو اں ہیں۔ بڑے ہمیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔

یادگار زمانہ میں ہم لوگ۔ یاد رکھنا فسانہ میں ہم لوگ وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیرھیوں پر نظر ہے کہ وہ ہدی آئے وہ سرفراز حسین آئے۔ وہ یوسف مرزا آئے وہ سیرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ ترے ہوؤں کا نام نہیں تھا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گئے ہیں ہیں اللہ اللہ ہزاروں کام میں ماتم وار ہوا۔ میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا۔ سنو غالب رونا بیٹا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔

خلوص اور احباب کی دلجوئی۔ سادگی و پُرکاری بخودی دہنسیاری کا امتزاج۔ رکھ رکھاؤ غالب کا خاص تھا۔ مرزا نے خود لکھا ہے کہ میں ابتدا میں بتدل و شوکت اور اسیر کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھے اپنے قصائد اور نثر نگاری کے

بارے میں حسن کی خبروں اور ندرت کا انہیں خود احساس تھا ایک خط میں اس طرح ذکر کیا ہے۔
 کیا کروں ایسا شبوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ روش
 ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی۔ بالکل
 بھاٹوں کی طرح لکھنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو
 نقیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کمتر۔ شری
 بھی یہی حال ہے۔

غالب خطوط کے انداز تحریر میں نقش اول کی حیثیت
 رکھتے ہیں ان کے زمانے کے یا بعد کے آدمیوں نے
 اس انداز کو اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کے اور
 غالب کے لکھے خطوط کا مقابلہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ
 غالب کی عظمت اور انفرادیت بالکل مختلف ہے۔
 غالب خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے
 تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جاوے کہ جس کو خط
 لکھا جا رہا ہے اس کو پڑھ کر خطوط اور خوش ہو۔ جسکو
 خط لکھتے اس کے رتبہ کا خاص خیال رکھتے تھے اسکی
 سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیوں کرنے تھے مثلاً
 ایک دوست کو خط لکھا ہے اس میں ان کی لڑکی کو جو بچپن میں
 آپ کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہو گئی ہے۔ بعد ازاں

لکھتے ہیں کیوں بھائی اب اگر ہم کول آئے بھی تو تم کو کیوں بھری
 دیکھیں گے کہ تمہارے ملک میں بکھتیجیاں بچپا سے پردہ کرنی
 ہیں۔ یا نواب امیر الدین احمد خاں کو جواب میں لوہارو میں
 ان کے بچپن کے زمانے میں ان کے رفقہ کہ جس میں
 مرزا صاحب کو دارا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں۔
 اے مردم چشم جہاں ہیں۔ غالب کی پتلی چشم جہاں ہیں۔
 تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین احمد خاں بہادر اور بھتیجی تم۔
 سیار تمہارے دارا نواب امین الدین احمد خاں بہادر
 ہیں۔ میں تو صرف تمہارا ولدادہ ہوں
 مرزا غالب نے اردو شاعر کی کوئی رنگ و آہنگ
 نہیں دیا جدید اردو نثر کی بنیاد بھی اپنے ہاتھوں سے
 قائم کی۔ ان کے خطوط میں ان کی شخصیت پورے طور پر
 جلوہ گر ہے۔ ان کی نثر میں شگفتگی بلند نظری اور تامل بنائی
 کا رفرما ہے۔ ان کے خطوط میں ان کی زندگی کی رنگ برنگی
 تصویریں نظر آتی ہیں۔ مرزا اپنا راستہ خود طے کرتے ہیں۔
 ان کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں وہ رسم و رواج
 اور تقلید کے پابند نہیں ہیں شیخ و برہمن ان کی نظر میں
 ایک ہیں ان کے یہاں اصل چیز عقیدے سے وفاداری
 ہے۔ ان کی انسانیت کے دائرے میں دیر و حرم

اور زنا و تبذیر کا فرق سٹ جاتا ہے وہ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنا عزیز نہ سمجھتے ہیں اور یہی ان کی عظمت کا راز ہے ان کے خطوطِ محبت کی جتنی تصویریں اس لئے وہ جہید اُردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں۔

مرزا غائب کی شناخت

اوس

اس کی انفرادیت

مرزا غالب کی شاعری اور انکی حقیقت نگاری کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی کو سامنے رکھا جائے اس لئے کہ شاعر کے ماحول کا اس کی شاعری پر اثر انداز ہونا ضروری ہوتا ہے

جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں کہ غالب صرف پانچ سال کی عمر کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا ان کے چچا نے انکی پرورش و ذمہ داری اپنے سر لی تھی لیکن کچھ ہی سال بعد ان کے چچا بھی اشد بیمار سے ہو گئے تھے مرزا غالب کو ان کے والد بھائی سے بہت محروم رکھا گیا اور اصل حقیقت مرزا غالب کا تانا بہاں خوشحال تھا اور غالب نے اپنے تانا بہاں ہی میں پرورش پائی تھی

چونکہ غالب کا تانا بہاں خوشحال تھا اس لئے انہوں نے رعایا نہ زندگی بسر کی تھی ان کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔ اس زمانے میں رعایوں کے مشاغل میں شطرنج کھیلنا، پنک اڑانا، داخل مقام تانا بہاں کی دولت و ثروت نے غالب کو پیش و پیش کی راہ پر ڈال دیا تھا لیکن ان کو شیخ معظم اور ملا عبدالصمد جیسے استاد مل گئے تھے جنہوں نے غالب کو راہ راست پر لگا دیا تھا۔

مرزا غالب نے گیارہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا اس زمانے میں انہوں نے کچھ اشعار فارسی زبان میں نظم کئے اور اپنے اُستاد شیخ معظم کو سنائے اشعار کے صحیح ہونے کی سند بھی پیش کی۔ اسی دن سے شیخ معظم نے ان کو شعر کہنے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ اس سے پیشتر غالب نے اُردو میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ غالب کی ابتدائی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہوئی تھی۔ اس لئے ان کی شاعری میں واردات قلبی۔ عشق کی بے حسنی۔ ہجر و وصال کی داستانیں جیسا کہ عام شاعروں میں ملتی ہے کی کمی محسوس ہوتی ہے بہ خلاف اس کے خیال کی بلندی۔ مضامین کی ہمت۔ فلسفہ اور تصوف کی آمیزش بکثرت نظر آتی ہے۔ بچپن ہی سے انہوں نے فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ طب اور علم عرض میں اچھی خاصی دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ عبدالرحمن بجنوری محاسن کلام غالب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب دیوان غالب کو اگر دیکھا جائے تو اس میں شروع سے لے کر آخر تک شکل سے تو صفحے ہیں۔ اگر ادبی حیثیت سے غور کیا جائے تو دیوان غالب میں کہیں بھی ایک شعر ایسا نہیں جو بھرتی کا کہا جاسکے۔ کوئی آسان سے آسان

اور مشکل سے مشکل بھرا یہی نہیں جس میں مرزا نے کلام سوزوں
 نہ کیا ہو علم عروض پر ان کو پوری مہارت حاصل تھی۔ ان کے
 اشعار میں سوسلیقت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔
 دیوان غالب میں ایسے بھی شعر ہیں جن کا مطلب بعض اوقات
 نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب نے فلسفہ
 اور منطق میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس لئے مشکل مضامین
 نظم کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی خود کو تنگ دائرے
 میں محدود نہیں کیا۔ غالب نے جس طرح اپنے ذوق شعر کو
 نکھارا اور سنوارا اس کے متعلق وہ اپنے خطوط اور دوسری
 تحریروں میں خود لکھتے ہیں۔

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی
 لکھتا رہتا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا آخر جب تمیز
 آئی تو اس دیوان کو دور کیا اور اوراق کو ایک قلم چاک کیا۔
 انہوں نے صاف لفظوں میں ظاہر کیا ہے کہ پندرہ سال کی
 عمر سے لے کر پچیس سال کی عمر تک ذہن پر روایت پرستی کا اثر
 درجہ ۵ دباؤ تھا کہ وہ خیالی مضامین سے آگے نہیں بڑھ سکے
 اس بیان سے ظاہر ہے کہ ۱۸۱۲ء سے ۱۸۲۲ء تک کا زمانہ
 وہ ہے جس میں غالب اپنے ذوق شاعری کی کمیوں کو نہیں سمجھ
 سکتے تھے۔ اس دور میں انہوں نے اپنی شاعرانہ پسند پر

طرح ریشی ڈالی ہے۔

طرز تبدیل میں ریشیہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت سے یہاں
 واضح ہے کہ ابتدا میں غالب نے تبدیل کی پیروی کی
 اور لیا ہے اس کا تعلق غالب کے بچپن کی ذہنی ساخت
 پر ابتدا میں فارسی زبان کے مطالعہ سے غالب کے ذہن کو
 شاعری کی طرف سے ہٹانا چاہا تھا اور وہ تبدیل کی
 ہی کرنے لگے تھے۔ تبدیل ایک صوفی شاعر تھا مگر غالب
 کا شاعر تھا ان کے اردو دیوان نے اور ان کے
 طے ان کی فنکارانہ شخصیت کا ہندوستان بھر میں شہرت
 ت لراویا تھا۔ غالب سے لطف اندوز ہونے کی قابلیت
 لوگوں میں بڑھتی گئی اسی قدر ہندوستان میں ان کے اثر
 کی تعداد بڑھتی گئی اور ان کے مشکل اشعار
 ہی لوگوں پر کھٹے گئے۔

کلام ریشیہ

مرزا نے ریشیہ میں جو طریقہ ابتدا میں اختیار کیا تھا۔
 اسے لہرے کسی طرح مقبول خاص و عام نہ ہو سکتا تھا اور اسے
 اشعار سننے کے عادی تھے روایت پرستی لوگوں کے

ذہنوں میں اپنا مقام بنا چکی تھی شعر کی سب سے بڑی خوبی
 یہی سمجھی جاتی تھی کہ ادھر شعر شاعر کے منہ سے نکلا اور
 ادھر سننے والے کے دل میں اتر گیا۔ مگر مرزا کے ابتدائی
 رخیختے میں یہ بات نہ تھی جس طرح خیالات اچھی تھے
 ویسے ہی زبان کا سمجھنا آسان نہ تھا۔ مرزا زیادہ تر فارسی
 کے الفاظ اور اس کی تراکیب اور شاعری میں استعمال
 کرتے تھے اثر ایسے اترتے ہوئے تھے کہ اگر ان میں ایک
 لفظ بدل جائے تو سارا شعر تاریکی زبان کا ہوتا ہے۔
 مرزا کے ابتدائی کلام سے بھی ان کی غیر معمولی ذہنی کا صلاح
 ملتا ہے ان کی طبیعت میں اتنی اسرار بھی کہ انہوں نے اپنی
 ایک رائے نکالی وہ عام روش پر چلنے سے ہرگز کبھی نہ
 تھے پھر بھی مانیانہ خیالات اور محاورات سے پرہیز کرتے
 تھے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے آئے
 ہیں تشہیر لائے تھے مرزا کے ایک شعر کی ان کے سامنے
 نہایت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کون سا شعر
 ہے۔ انہوں نے میرامانی جن کا تخلص اسد تھا جو مرزا رفیع
 کے شاگرد تھے یہ شعر پڑھا۔

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی میرے شیر شاہاں رحمت خدا کی

چونکہ شعر میں اسد مخلص مقرر ہوئے ہیں یہ سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ میرزا یہ سن کر بہت جڑبڑہوتے اور فرمایا کہ اگر کسی اور اسد کا شعر ہے تو اس پر رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو مجھے لعنت خدا کی۔ مرزا کو اس شعر کا اپنی طرف غصوب ہونا اس لئے ناگوار گذرا ہوگا کہ میرے شعر اور رحمت خدا کی یہ دونوں محاورے زیادہ تر عاصیوں اور صوفیوں کے ہوا کرتے ہیں۔ اسی قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عام طریقے پر چلنا پسند نہ کرتے تھے ان کے بارے میں ایک لطیفہ بہت مشہور ہے۔

مرنے سے آٹھ برس پیشتر انہوں نے اپنی تاریخ وفات نکالی تھی جن میں ۱۲۴۴ھ تکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں وبا پھیل گئی مگر مرزا زندہ بچ گئے اس واقع کے بارے میں ایک خط میں لکھتے ہیں یہاں ۱۲۴۴ھ کی بات غلط نہ تھی یعنی اس سلسلہ میں مجھے مرنا چاہیے تھا مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کوشش تھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زمانے کے خیالات کے موافق اردو شاعری کو داخل کمالات نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس میں اپنی کوشش سمجھتے تھے

یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے بہت سے لوگ مرزا کے کلام پر اعتراض کرتے رہتے تھے لیکن مرزا کہہ کر ٹال دیتے تھے۔

یاد رہے کہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات

وے اور دل انکو جوڑوے مجھ کو زباں اور

لیکن چونکہ مرزا کے ہمعصر بہت سے نکتہ سنج اور نکتہ شناس

تھے۔ اسی لئے وہ ریختہ کے لکھنے میں اپنی پوری توجہ صرف کرتے تھے اور اس میں اپنی برتری سمجھتے تھے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ شاعر اور اس کے کلام کے

رتبے کا پتہ اس کے کلام کی ضخامت یا اس کے کم ہوتے سے

نہیں چلتا ہے بلکہ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ

اس نے منتخب اور قابل تعریف اشعار کس قدر اس کے

کلام میں موجود ہیں۔ میر کی قدر لوگ اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ

انہوں نے ضخیم دیوان چھوڑا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے

منتخب اشعار جن کی تعداد بہت کم ہے اپنی مثال نہیں رکھتے اور

انہیں منتخب اشعار پر جن کی تعداد بہت کم ہے اپنی مثال نہیں

رکھتے اور انہیں منتخب اشعار نے ان کو ریختہ گو شاعروں کا

سرتاج بنا دیا ہے

مرزا کے اردو کلام میں غزل کے سوا قصیدے وغیرہ

موجود ہیں لیکن ان کے منتخب اشعار کا دیوان بڑے بڑے

صغیر دیوان پر فرقت رکھتا ہے اور جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے رسمیتہ کلام میں نکلنے کی توقع نہیں ہے اللہ ہم کو مرزا کے اچھے اشعار جاننے کے لئے الگ الگ سفیر سفر کرنا پڑے گا۔ ان کی غزل میں زیادہ تر اسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جن کو اور شعراء کی فکر نے بالکل نہیں چھوا ہے اور معمولی مضامین ایسے انداز میں ادا کئے ہیں کہ سب سے نرالا ہے اور ایسی تراکیب رکھی گئی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم پرانے اساتذہ کے کلام میں ایک ہی طرح کے خیالات دیکھتے دیکھتے اکتا جاتے ہیں اور اس کے بعد مرزا کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک نئی اور نئی دنیا دکھائی دیتی ہے جسے مندرجہ ذیل شرح سے ان کے خیالات کا اچھوتان ثابت ہوتا ہے۔

بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آسان ہونا
آدمی کو میسر نہیں انساں ہونا

مطلب :-

مندرجہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آسان کام کرنا بھی دشوار ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جس کو

افسان کہا جاتا ہے اس کا بھی انساں بننا مشکل ہے اگر وہ
ایک اور شعر ہے۔

ہوش کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو تو مرنا جینے کا مزا کیا

مطلب :-

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ پہل پہل ہے وہ صرف
اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کی مدت بہت کم ہے
اور آدمی کی زندگی بہت مختصر ہی ہوتی ہے اور یہ آدمی کی
عادت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت کم ہوتی ہے اسی قدر
زیادہ سرگرمی سے کام انجام دیتا ہے اور جس قدر زیادہ
صحت ملتی ہے اسی قدر کام میں تاخیر زیادہ کرتا ہے۔

نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈوبیا مجھ کو نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مطلب :-

مذہب بالا شعر کا مطلب بظاہر مشکل ہے لیکن بالکل

افو کھا خیال ہے نیستی کو نیستی پر ترجیح دی گئی ہے اور ایک عجیب توقع خدا سے مل جانے کی ہے۔ پہلے مصرعہ کے معنی ظاہر ہیں دوسرے مصرعے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو کیا برائی ہوتی اور اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا یہ چاہیے کہ میں کیا چیز ہوتا مطلب یہ ہے کہ خدا ہوتا کیونکہ پہلے مصرعہ میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں انہی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مطلب :-

یہ خیال بالکل اچھوتا ہے۔ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ مشکلات کی کثرت سے ہی دنیا کے تمام رنج و غم مٹ جاتے ہیں یعنی رنج سہتے سہتے میں رنج و غم سہنے کا عادی ہو گیا اور سیری تمام مشکلیں آسان ہو گئیں۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑ ڈو برہمن کو

مطلب :-

غالب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر برہمن اس قدر وفادار ہو

کہ اپنی ساری عمر بت خانے میں کاٹ دے اور وہیں رہے
تو اس بات کا مسکن ہے کہ اس کو کعبے میں دفن کیا جائے
کیوں کہ اس نے وفاداری کا حق پورا پورا ادا کر دیا اور
یہی اصل ایمان ہے کہ انسان کو وفادار ہونا چاہئے اور
اس کو اس کی وفاداری کا حق ملنا چاہئے۔

چے ہوا میں شراب کی تاثیر
! وہ نوشتی ہے ! رو پھیلانی

مطلب :-

غائب صاحب نے یہ شعر بہار کی تعریف میں لکھا ہے
فرماتے ہیں کہ فصل بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے کہ جیسے
اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور فصل بہار کی ہوا
کھانا بھی شراب بننے لگے برابر ہے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے فدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مطلب :-

غائب صاحب کو اپنے گھر میں اپنے معشوق کے آنے پر
بڑی حیرت ہوتی ہے اور وہ تعجب میں پڑ جاتے ہیں

اور اس حیرت و تعجب کی دلکش تصویر پیش کیا کرتے ہیں۔
 کہتے ہیں کہ میں اپنے معشوق کے گھر میں آنے پر کبھی اپنے گھر کو
 دیکھتا ہوں تو کبھی اپنے معشوق کو کہ ایسے گھر میں ایسا شخص
 مشربین لایا ہے۔

رہا آبا و عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
 بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

مطلب :-

غائب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں سب اہل ہمت
 ہی ہوتے جو دنیا کو معمولی سمجھ کر اور یہ سمجھ کر کہ دنیا میں چند روزہ
 قیام ہوتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہ دیتے ایسی صورت میں
 دنیا ویران و برباد ہو جاتی۔ پس اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ
 کہ دنیا اسی سبب سے آباد نظر آتی ہے کہ اس میں اہل ہمت
 کی کمی ہے یعنی جس طرح میخانے میں جام و سبو کا شراب سے
 جھرا رہنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ میخانے میں کوئی
 سبب نہیں ہے اسی طرح دنیا کا آباد ہونا اس بات کی
 دلیل ہے کہ دنیا ہمت رکھنے والے لوگوں سے خالی ہے۔
 علامہ نے مہنامین اور انوکھے خیالات کے اور بھی
 بہت سی خصوصیتیں ہیں جو غائب صاحب کے کلام میں ملتی

ہیں جو دوسرے شاعروں کے یہاں نہیں ملتی ہیں یا بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ہمیشہ نئی نئی تشبیہوں کا استعمال کرنا نئے نئے محاورے استعمال کرنا۔ نئے نئے استعارہ اور کتا یہ جو شعر کی جان ہوتے ہیں بخوبی شعر میں سمودینا۔ سنجیدگی دستاں کے ساتھ شوخی و طرافت کا واسن نہ چھوڑنا وغیرہ۔ غالب نے اپنے انداز بیان کے بارے میں اپنے ایک شعر میں خود فرمایا ہے

ہیں یوں تو زمانہ میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

مذکورہ بالا شعر میں غالب نے تنقید کا ایک نکتہ بیان کیا ہے اور اپنے معاصر شعرا کے کمال کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن ان کے لئے خود ان کا اندازِ بیاں چوں کہ دوسروں کے مقابلہ میں مختلف ہے اس لئے اس پر فخر کرتے ہیں اس کی ان کی خودداری ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فکر میں ایک انوکھی دنیا دکھائی دیتی ہے اور وہ اپنا ایک نیا جہاں بسانا چاہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

رہے اب ایسی جگہ جیل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بٹے درود یوار سا اک گھر بنا نا چاہئے
کوئی مہسایہ نہ ہو اور با سبباں کوئی نہ ہو
پڑے گے بیارہ کو کوئی نہ ہو بیمار دار
اور اگر مر جا بیٹے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

جس طرح غائب کی شخصیت میں کچھ انوکھا پن اور ایک
انوکھی شان دکھائی دیتی ہے اسی طرح انکے انداز بیان
میں ایک انوکھی شان پیدا ہو گئی ہے انہوں نے اپنے
زمانے کی زندگی کو ایک خاص طریقے سے دیکھا ہے اور
اسے اپنے مخصوص انداز میں محسوس کیا ہے انہوں نے اردو
غزل کے تنگ دامن کو پھیلا نا چاہا ہے۔ انہوں نے کبھی
کبھی خود سے سوالات کئے ہیں اور اس پاس بھلی ہوئی
زندگی سے بھی سوالات کئے ہیں مندرجہ ذیل اشعار سے
یہ کیفیت ظاہر ہے۔

سبز دنگ لہاں سے آئے ہیں	ابہ کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟
بچہ چہرہ دنگ کیسے ہیں؟	غمزہ و عشوہ داد کیا ہے؟
ہم نیا شستان اور وہ بیزارہ	یا الہی یہ ماجرا کیا ہے؟
جب کہ سنجہ پن نہیں کوئی موجود	چہرہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے؟

اور ایسے ہی سوال و جواب ہیں وہ غزل کے دامن کو بھی
کبھی کبھی تنگ سمجھتے ہیں اور خود زمانے ہیں۔

بقدر شوق نہیں عرق تنگنائے غزل
 کچھ اور چاہئے وسعت یرے بیان کیلئے
 اب ہم غالب کی اسی وسعت و عظمت کو ہر رنگ میں دیکھنے کی
 کوشش کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں نرد فرمایا
 ہے۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے کھرہو نے ملک۔

۱۱) غالب بحیثیت فلسفی شاعر۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ غالب پر سب سے زیادہ اثر
 بیدل کا تھا اور بیدل کے اشعار میں بہت گہرا فلسفیانہ رنگ
 ملتا ہے۔ چونکہ غالب نے اپنے پیش نظر جو زندگی کا مقصد
 رکھا تھا وہ حکیمانہ اور ایک بڑے مفکر کا تھا انہوں نے زندگی
 کے مختلف پہلوؤں پر سیکڑوں اشعار لکھے ہیں شاعری ان
 کے لئے دلگی کا سامان نہ تھی بلکہ زندگی کے نشیب و فراز اور
 اس کا مقصد اپنی شاعری میں کوٹ کوٹ کر سمجھ دینا اس کا اصل
 مقصد تھا اور چونکہ غالب کے حکیمانہ خیالات میں انفرادیت
 تازگی اور شعریت تھی اس لئے ان کا مقام بیدل سے بھی
 بہت بلند ہو گیا ہے۔ ان کے یہاں خیالات اور جذبات کا
 ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو فلسفیانہ شاعری کو کم ہی
 نصیب ہوتا ہے۔ غالب ایک باقاعدہ فلسفی نہ ہی تھے ان کے

طریق کار نے ان کو ایک فلسفی شاعر بنا دیا ہے۔ جن کا اصل کام دل پر گزری ہوئی واردات اور سبھی تجربات کا حکیمانہ اظہار تھا انہوں نے زندگی کے مصائب۔ غم اور خوشی۔ عام انسانی مشکلات کو اپنے اشعار کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ کبھی انہوں نے سرت کا اظہار کیا ہے کبھی غم کا حقیقت یہ ہے کہ غالب بے اندازہ خواہشوں اور اربابوں سے بھرا دل لے کر آئے تھے جن کا پورا ہونا بہت مشکل نظر آتا تھا اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم بھلے

بہت بھلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب نے زندگی کے انقلاب دیکھے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ جس طرح خوشی کیاب ہے اسی طرح غم کی فراوانی بھی خوشی سے بڑھ کر ہے ان کے یہاں غم و الم کے علاوہ سکون و صبر۔ اور رضا و تسلیم کا اظہار کثرت سے ہے۔ فرماتے ہیں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

شکلیں آہی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

غالب نے سیکڑوں خمروں میں کونہ سے میں دریا بند
 کرنے کی کوشش کی ہے ان کی بدت۔ باریک بینی۔ گہرائی
 نفسیات۔ تشبیہات نے ان کو ایک فلسفی شاعر کی حیثیت
 سے روشناس کر دیا ہے۔ غالب کا فلسفہ ان کے فارسی
 کلام ارمغان غالب میں جسے انہوں نے زندگی کے عنوان
 سے منتخب کیا ہے بہت واضح طور سے نمایاں ہے۔

غالب کی شاعری میں عشقیہ مضامین اور ان کی انفرادیت

غالب کی شاعری میں عشقیہ مضامین بھی بڑی خوبی سے موجود
 ہیں ان کے کلام کے زیادہ حصے پر عشق مجازی حاوی ہے
 ان کے حکیمانہ انداز نظر۔ دلکش اسلوب اور دلہانہ تخیل نے
 ان کی عشقیہ شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں ان کے ہر
 شعر میں دل کی بے شمار رھزکنیں سنائی دیتی ہیں۔ مجازی
 عشق سے گفتگو کرتے ہوئے غالب نے نفسیاتی حکمت کے
 عجیب عجیب معنی حل کئے ہیں۔ محبت کا بڑا بہ جس قدر شدید
 ہوتا ہے اتنا ہی ایک اچھے فنکار کے تخیل میں بلندی اور
 اس کی تخلیق اچھی ہوتی ہے۔

غالب کے اشعار عشق و محبت کا ایک بہت ہوا دریا ہیں
 ان کا ہر شعر زندگی کی بولتی ہوئی تصویر نظر آتی ہے۔ اردو

غزل کے روایتی معشوق سے تنگ آکر غالب نے اپنے محبوب کی تلاش جنت میں بھی کی لیکن ان کو اپنا معشوق حوران غلد میں بھی نہ مل سکا۔ غالب کی عشقیہ شاعری روایتی انداز کی نہیں ہے وہ اپنے معشوق مجازی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاشش کہ تم میرے لئے ہوتے
 اردو شاعری میں حسن و عشق کو ایک نمایاں جگہ حاصل ہے بلکہ اس بنیادی انسانی جذبہ کا اظہار بنا کے ہر ادب میں ملتا ہے۔ خاص طور سے غزل گو شعرا نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر طبع آزمائی کی ہے زمانے کے انقلاب و تغیرات کے ماتحت انہوں نے اس جذبہ کا اظہار کیا ہے غالب کی شاعری نے روایت پرستی کے زمانے میں آنکھیں کھولیں۔ روایتی ماحول میں بھی غالب کی پرورش ہوئی ان کے ماحول کے اثرات بھی بڑے لیکن اس کے باوجود غالب نے دوسروں کی تقلید سے اجتناب کیا۔ اپنی جدت پسندی کی بدولت روایات سے ہٹ کر عشق کا بھی ایک مخصوص تصور پیش کیا جس قدر ان کا شعور بختہ ہوتا گیا ہے اس قدر ان کی عشقیہ شاعری کا جذبہ لطیف اور گہرا ہوتا گیا ہے۔ انہوں نے عشقیہ شاعری کے روایتی انداز سے گریز بھی کیا ہے اور عشق کو

انسان کے لئے ایک ضروری جذبہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ
ابتدا میں روایتی شعراء سے متاثر ضرور ہوئے ہیں۔ لیکن
انہوں نے عشقیہ شاعری کو فلسفیانہ رنگ عطا کرنے کی کوشش
کی ہے۔ ان کے مزاج میں جو لطافت و شائستگی تھی وہ
ہمیشہ ان کی عشقیہ شاعری میں برقرار رہی ہے۔ ان کا عشق
کبھی بھی ذہنی عیاشی کی صورت نہیں اختیار کرتا انہوں نے
اپنی شاعری کو ہوس پرستی کا شکار کبھی نہیں ہونے دیا۔ ان کے
نزدیک عشق بلندی سے عبادت ہے اس میں کوئی شک نہیں
کہ غالب کا عشق ایک بڑے باشعور انسان کا عشق ہے
انہوں نے عشقیہ شاعری میں بلند نظریہ، حقیقت پرانی اور
اخلاقی شعور سے کام لیا ہے۔ وہ آبرو کے شیوہ اہل نظر کے
ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ اور یہی ان کی انفرادیت ہے لہذا
فرماتے ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شاعر کی
اب آبرو دے شیوہ اہل نظر گئی

غالب بحیثیت قصیدہ گو شاعر:-

عربوں اور ایرانیوں کی شاعری قصیدہ اور غزل کے امتزاج
بھری پڑی ہے۔ قصیدے کی عمارت کسی شخص کی تعریف و توصیف پر

کھڑی کی جاتی ہے۔ اُس دور میں قصائد کی بنیاد کسی بادشاہ یا نواب کی تعریف و توصیف پر ڈالی گئی ہے۔ غالب نے زیادہ تر قصائد فارسی زبان میں لکھے ہیں اور ان کے قصائد کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو نوابوں بہادر شاہ ظفر اور نئے انگریز حاکموں کی تعریف و توصیف ان کی جوانمردی۔ بہادری۔ دانشمندی۔ فتح مندی کی تہنیت و مبارکباد پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے قصائد کی بنیاد محض انعامات حاصل کرنے اور حکمران طبقہ کی تعریف و خوشنودی پر رکھی ہے۔ غالب کے قصائد میں بھی ان کی زندگی کی انفرادیت کی جھلک ملتی ہے اور احساس برتری کا جذبہ کارفرما ہے۔ غالب نے قصائد میں عرفی کی پیروی کی ہے۔

غالب کے قصائد میں ان کی انانیت اور احساس خودداری کہیں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے ان کی شخصیت چونکہ بہت حساس تھی اور ان کو مالی پریشانیاں بھی لاحق تھیں اس لئے اپنے غرور و وقار کی حفاظت رکھتے ہوئے انہوں نے قصیدے لکھے ہیں۔ انہوں نے اپنے قصائد کے بارے میں ایک جگہ خود لکھا ہے۔

کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ روش ہندوستانی

فارسی لکھنے والوں کی محبہ کو نہیں آتی بالکل بجاؤں کی طرح لکھنا شروع کر دیں۔ میرے قصیدے سے دیکھو تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے۔

قطعات :-

غالب نے بہت سے قطعات اس زمانے میں لکھے ہیں جبکہ ان کو اپنی کوئی درخواست بادشاہ کے دربار میں گزارنی ہوتی تھی۔ ان قطعات میں بادشاہ کے دربار کے جو آداب ہوتے تھے ان کا خاص خیال کیا ہے۔ بادشاہ کے دربار کا یہ ادب تھا کہ۔ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے چونکہ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے غالب نے اسکو اس پرانے میں یوں بیان کیا ہے۔

لو ایک بادشاہ کے سب خانہ زادوں کو ایک بادشاہ کے سب خانہ زادوں کا نون پر ہاتھ رکھتے ہی لرتے ہوئے سلام ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز بکواتے تھے تو اکثر مضامین اور اہل دربار کے لئے بطور کھانے کے بھیجا کرتے تھے۔

اس کے شکر یہ میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ پارباغی باور
 کے حضور میں گزارتے تھے ایک بار بادشاہ کے دربار
 میں بیسی روٹی بکلی اور وہ دربار کے لوگوں میں تقسیم
 کی گئی۔ چنانچہ یہ روٹی غالب کے پاس بھی آئی اُسکے
 ایک شاگرد نے ان سے پوچھا۔ روٹی ایسی کیا نا اور
 چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے کھانے کے لئے تقسیم
 ہو۔ آپ نے فرمایا اتنی چنا وہ چیز ہے کہ اُس نے
 ایک دفعہ جناب الہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھے
 بڑے ظلم ہوئے ہیں۔ مجھے دلتے ہیں پیسے ہیں۔
 بھونٹتے ہیں۔ پکاتے ہیں اور مجھ سے سیکڑوں کھانے
 کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا
 کسی پر نہیں ہوتا۔ دہاں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری
 خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سے جانے سے چلا جا ورنہ ہمارا
 بھی یہی دل چاہتا ہے کہ تجھے کھا جائیں۔ اس پر
 غالب نے بادشاہ کے پاس سدرجہ ذیل قطعہ لکھ کر
 بھیج دیا۔

مجھے جو بھی ہے بس کی روٹیوں
 جو کھاتے حضرت آرام یہ بیسی روٹیوں

نہ پوچھے اسکی حقیقت حضور اللہ نے
 نہ کھاتے گہوں نسلتے نہ خلد سے باہر

رباعیات :-

چونکہ غالب کا کلام بہت مشکل ہوتا تھا اور ان کے
عصر بہت سے روایتی شاعران کچھ تنقید کرتے رہتے
تھے غالب کے لئے یہ ایک مشکل مقام تھا اگرچہ وہ
لوگوں کی خوشی کے مطابق شعر کہتے تو یہ ان کے لئے
ایک بہت مشکل کام تھا کیوں کہ ان کی طبیعت آسمان
کھینے سے روکتی تھی۔ اور اگرچہ وہ آسمان شعر نہیں
کہتے ہیں تو ان کے بہت سے دوستوں کو ان کے
شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہرمانتے ہیں لہذا
انہوں نے اس کشمکش کو مندرجہ ذیل رباعی میں ظاہر
ایا ہے۔

انگل ہے زبں کلام میرا سے دل سخن میں کے اے سخنوران کامل
اسان کہنے کی کرتے ہیں فرما شیخا گویم مشکل دگر نہ گویم مشکل
بادشاہ کے یہاں سونگ کی وال بکا کرتی تھی ہر بادشاہ بہتہ
پلاتی تھی جہ رباعی اس کے مشکل یہ میں نکھی گئی ہے۔
بھی ہے مجھے شاہ مجاہد نے حال ہے لطف و عنایت شہنشاہ یہ وال
شاہ پسند وال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داوی وال
مرزا غالب روزہ نہیں رکھتے تھے حالانکہ لوگ ان کو

کافی نعت ملاست کیا کرتے تھے ایک بار بادشاہ نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ مرزا آپ روزہ کیوں نہیں رکھتے تو انہوں نے سندرہ ذیل رباعی میں روزہ کا مضمون باندھ کر ور بار میں پیش کر دیا۔

سامان خرد و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ تیرا ایمان سب غالب لیکن خص خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

ثنوی :-

مرزا غالب نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ان کی غزلیات - قصائد - قلععات اور رباعیات فن کے اعتبار سے بہت بلند ہیں جہاں تک ثنوی کا تعلق ہے انہوں نے کئی ثنویاں لکھی ہیں لیکن ان کی مشہور ثنویوں میں چراغ ویر اور ثنوی دیر گھر بار بہت مشہور ہیں۔ جن کو غالب کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔

غالب نے ثنوی ابر گھر بار میں پیغمبر اسلام کے حالات نظم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ثنوی مرزا غالب نے عہد جوانی میں لکھنا شروع کی تھی۔ وہ شاہنشاہ فردوسی کے مقابلے میں شاہنشاہ اسلام لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس کو وہ آخر عمر تک مکمل نہ کر سکے اس میں صدفوت

اور مناجات کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ غالب نے
 مثنوی کو حمد سے شروع کیا ہے۔ حمد میں پہلے شکر ادا
 کیا ہے اور اس طرح اپنی انفرادیت کو قائم رکھا ہے اس میں
 اشتقاقی کے وجود اس کی وحدانیت کو صاف اور
 سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا ہے۔ نعت اور مناجات
 کے ساتھ ساتھ سراج نبوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ نعت
 کے بعد منقبت۔ منقبت کے بعد معنی نامہ لکھا گیا ہے۔
 اس کا آخری عنوان ساتی نامہ ہے۔ ساتی نامہ کا رواج
 مثنوی کے ساتھ عام رہا ہے۔ حالانکہ غالب نے یہ مثنوی
 فارسی زبان میں لکھی ہے لیکن فارسی زبان میں لکھی گئی۔
 مثنویوں میں اس کی انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

غالب کا فارسی کلام :-

فارسی زبان میں غالب نے ایک ایسا خزانہ چھوڑا ہے
 جس سے لطیف اندوز نہ ہونا ہماری بہت بڑی بد قسمتی ہے
 غالب کے فارسی کلام میں ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کی گئی
 ہے اور ہر منزل کو کلام تک پہنچایا گیا ہے لیکن افسوس کہ
 ہمارے بچے فارسی زبان تو دور کہ بات ہے اردو زبان
 جو اپنے ملک میں پیدا ہوئی۔ اور پروان چڑھی سے

اچھی طرح واقف نہیں ہو لے پائے۔ حالانکہ اُردو زبان کا مطالعہ کرنے سے بیشتر ضروری ہے کہ بچے کو فارسی زبان سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہو۔ کیوں اُردو زبان اہل فارسی اور اہل ہندی کی محبت سے پیدا ہوئی ہے۔ غالب کا فارسی کلام بھی بڑھنا بارے لے بہت ضروری ہے۔

بچوں ابھی ہم نے غالب کی اُردو شاعری ان کے فن ان کی انفرادیت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ غالب ایک ممتاز شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک فلسفی۔ عالی ظرف۔ عالی دماغ حکیمانہ نظر رکھنے والے ایک انسان تھے۔ جنہوں نے انسانی زندگی کی تصویریں اپنے اشعار میں کھینچ کر رکھ دی ہیں۔

ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا کا وہ عظیم کلچر اور اسکی تہذیب جسے ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے جس میں ہندوستان بھی شامل تھے مسخ مل کر بنایا تھا اور اسکی آبیاری اپنے خون اور پسینے سے کی تھی جس میں بہت سے لوگ شامل تھے۔ ان میں مرزا غالب کا نام سرفہرست آتا ہے۔ اور وہ اس دور کی طرف کچھ اشارے گہرے کرتے گزر جاتے ہیں غالب نے مغلیہ سلطنت کے چراغ کو گل

ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ جنہوں نے انگریز حاکموں کا عرب
دیکھا لیکن ان سے ہاتھ ملانا تک معیوب سمجھتے تھے۔
غائب جس نے بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار ہمسد کو
غریب الوطنی میں اس جہاں فانی سے گذرتے دیکھا۔
غائب جس نے دلی کو اچڑتے اور برباد ہوتے دیکھا
جس کا حساس دل اپنے تہذیب و تمدن کو ٹٹتے دیکھ کر
رو پڑا جس نے دلی کی حالت اس طرح بیان کی۔ جس کی
انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سودہ ہی خموش ہے

غالب کی تصنیف

.

۱۔ دیوان غالب اردو:-

اکتوبر ۱۸۴۷ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ قیام کلکتے کے زمانے میں ان کی ملاقات مولوی سراج الدین احمد سے ہوئی اور ان کی فرمائش پر انہوں نے اردو اور فارسی کلام کا مختصر انتخاب کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے صرف اردو کلام کا ایک مفصل انتخاب بھی مرتب کیا۔ اس کیلئے الگ دیباچہ بھی لکھا۔ یہ دیوان ۱۰۸ صفحات پر مرتب کیا گیا ہے جس میں شعروں کی تعداد ۱۰۷۰ بتائی گئی ہے اس ایڈیشن کے نسخے بہت کم ہیں۔

دیوان اردو کا دوسرا ایڈیشن مئی ۱۸۴۷ء میں فلسفی نور الدین احمد لکھنوی نے دہلی میں چھاپا اس میں بھی مرزا کا لکھا ہوا دیباچہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک ایڈیشن کانپور میں بھی چھپا۔

۲۔ محمود ہندھی:-

غالب ایک مدت تک اپنے خطبہ فارسی میں لکھتے رہے لیکن بعد میں انہوں نے فارسی میں خط لکھنا ترک کر دیا اور اس کے بعد براہِ اردو میں خط لکھتے رہے۔ غالب کے

خطوط جمع کرنے کا خیال سب سے پہلے ممتاز علی خاں سیرمٹی کو ہوا انہوں نے ۳۱ خطوط جو دھری عبد الغفور سے دستیاب کئے۔ جنہوں نے ان پر ایک دیباچہ بھی لکھ دیا اور یہ سارا مجموعہ جناب ممتاز علی خاں کے حوالے کر دیا۔ اس طرح ممتاز علی خاں صاحب نے بہت سے لوگوں سے غالب کے خطوط دستیاب کئے اور ۱۳۷ خط جمع کر لئے اس طرح ان خطوط کا مجموعہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء میں شائع کر دیا اور اس کا نام جو دھری رکھا۔

۳۔ اُردوئے معلیٰ :-

خطوط کا یہ مجموعہ پور مارچ ۱۸۶۹ء کو اُردوئے معلیٰ کے نام سے چھپا جس میں ۶۴ صفحے ہیں۔ اس مجموعہ کے اکٹھا کرنے میں مرزا غالب نے خاص دلچسپی لی تھی۔ لیکن اس کے پھیننے کے کچھ ہی دن پیشتر غالب کا انتقال ہو چکا تھا دوسرا حصہ ۱۸۶۹ء میں مولانا حالی کی فرمائش پر مولوی محمد عبد اللہ نے دہلی میں چھاپا جس کو مولانا حالی ہی نے مرتب کیا تھا اُردوئے معلیٰ میں مرزا نواب علاؤ الدین احمد خاں اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے بہت سے غالب کے دستوں کو لکھے گئے خطوط شامل ہیں۔

۱۹۲۲ء میں اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی چھپا ہے

۴۔ مکاتیب غالب :-

۱۹۳۷ء میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتاب
کتاب خانہ رامپور نے شائع کی۔ چونکہ غالب کی دیباہ
رامپور سے بارہ برس تک خط و کتابت ۱۸۵۷ء سے
۱۸۶۵ء تک جاری رہی۔ خوش قسمتی سے ان میں اکثر
خطوط ریاست رامپور کے دارالانشاء میں محفوظ تھے لہذا
امتیاز علی خاں عرشی صاحب نے ان کو ترتیب دے کر
مکاتیب غالب کے عنوان سے شائع کیا۔ اس سے پہلے
ایڈیشن میں کل ۱۱۵ خطوط ہیں۔

۵۔ ناورات غالب :-

غالب نے جو خطوط منشی بنی بخش حیدر اکبر آبادی کے نام
لکھے تھے وہ میر مہدی مجروح اور میر افضل علی عرف میران صاحب
نے جمع کئے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ مجموعہ محفوظ رہا اور میران صاحب
کے ذمے جناب آفاق حسین آفاق دہلوی نے ناورات غالب کے
نام سے ۱۹۴۷ء میں شائع کروایا

۶۔ غالب کی نادر تحریریں :-

بچپن میں بھپیا برس میں غالب کے بہت سے خط اور بہت سی تحریریں جو مختلف رسائل میں شائع ہوئی ہیں۔ یہی تمام چیزیں خلیق انجم صاحب نے جمع کر کے ۱۹۶۱ء میں غالب کی نادر تحریریں کے عنوان سے شائع کیں اور خود دیا چہ بھی لکھا؟

۷۔ نکات غالب واقعات غالب :-

جس زمانے میں سچر فکری پنجاب کے محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے رائے بہادر پیارے لال آشوب سے فارسی زبان کی صرف لکھنے کی فرمائش کی اس پر انہوں نے دو مختصر رسالے ترتیب دیئے۔ نکات غالب میں یہ قواعد ہیں جو اردو زبان میں لکھے گئے ہیں، واقعات غالب میں ان کے پندرہ خطوط میں جو انہوں نے ہیج آہنگ سے انتخاب کئے ہیں۔

۸۔ انتخاب غالب :-

۱۹۶۶ء میں چشتیہ برس حیدرآباد سے شائع ہوا۔ اس مختصر مجموعے کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے

لہ اسے خود مرزا غالب نے مرتب کیا تھا اور یہ عہد ہندی
اور اردو کے معنی دونوں سے پہلے مستعمل میں شائع
ہو گیا تھا۔ یہ مجموعہ ضیاء الدین خاں پروفیسر ولی کالج نے
انگریز افسروں اور فوجیوں کو اردو پڑھانے کے لئے
مرزا غالب سے خود مرتب کرایا تھا۔

غائب اور مختلف

مقامات کا

سفر

کاپنور اور لکھنؤ کا سفر:-

مرزا غالب نے اپنی زندگی میں چند ہی ایسے سفر کئے ہیں جو قابل ذکر ہیں۔ کاپنور اور لکھنؤ کا سفر غالب صاحب نے اسی زمانے میں کیا جب کہ آپ کی پیش کش کا جواب نہیں رہا تھا۔ جس کا مقدمہ گورنر جنرل کی کورٹ میں کلکتہ میں ۱۸۶۴ء کے لگ بھگ وہ رہی سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ پہلے کاپنور۔ پھر نیچے لیکن یہاں اسکی طبیعت خراب ہو گئی اور علاج کا بھی معمول انتظام نہ ہو سکا اس لئے پالکی پر سوار ہو کر لکھنؤ تشریف لے آئے لکھنؤ میں غالب صاحب کی بڑی آؤ بھگت ہوئی کیونکہ اسکے قدر واد یہاں پہلے سے موجود تھے۔ لکھنؤ کے اہل علم ایک مدت سے مرزا صاحب کو لکھنؤ آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ غالب لکھنؤ پہنچے تو بادشاہ غازی الدین حیدر کی سلطنت تھی۔ مگر سلطنت کے سپاہ بیفید کے مالک سید محمد خاں عرف آغا میر تھے غالب کے دوستوں نے آغا میر تک خبر پہنچائی کہ غالب لکھنؤ میں موجود ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مرزا غالب کی ملاقات سے خوش ہوں گے غالب بھی ملاقات کے لئے

تیار ہو گئے۔ وقت کی کمی کی بنا پر غالب کو فی قصیدہ انکی
شان میں نہ لکھ سکے تھے۔ مرزا غالب نے آغا میر سے
ملنے کی ایک شرط لگائی کہ دربار میں میر سے پہنچنے پر
آغا میر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے اور آغا میر سے غالب
کی ملاقات نہ ہو سکی۔

مرزا غالب تقریباً گیارہ مہینے لکھنؤ میں رہے اسکے
بھر کا پنور واپس چلے گئے۔ مرزا غالب پر تحقیق کرنے والوں
ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہو سکی ہے کہ وہ قیام لکھنؤ
کے بارے میں پوری معلومات رکھتے ہوں۔ لکھنؤ کے حالات
اور وہاں کی تہذیب و معاشرت کے بارے میں مرزا غالب
کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وہاں کے حالات
سے خوش نہیں تھے۔ لکھنؤ پہنچ کر غالب نے جو غزل
لکھی اس کے آخری تین شعر قابل توجہ ہیں۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کسا لینی
مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
لے جاتی ہے ہیں ایک توقع غالب
ہوں سیر و تماشا ہو وہ کم ہے ہم کو
عزم سیر سخت دظون حرم ہے ہم کو
بادہ زہ کشش کاں کرم ہے ہم کو

باندے کا سفر:-

جب مرزا غالب لکھنؤ سے کا پنور پہنچے تو کچھ دیر آرام

کرنے کے بعد باندہ روانہ ہو گئے۔ باندہ کے نواب ذوالفقار علی بہادر سے غالب کی دور کی مٹھیالی عزیز داری تھی۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ غالب صاحب کو دیکھ کر نواب ذوالفقار علی بہادر بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور بہت خوش ہوئے نواب صاحب نے غالب کو چھ ماہ تک اپنے یہاں رکھا ان کی بہت خاطر کی اور چلتے وقت سفر خرچ کے لئے انہیں چند نام کے ایک جہازن سے دو ہزار روپے قرض بھی دلوا دیئے تھے۔ باندہ کے صدر امین سووی محمد علی خاں بھی انکے بہت کام آئے انہوں نے غالب کے کلکتہ پہنچنے پر ان کو دو سو روپے بھیجے اور کلکتہ کے مشہور اور مالدار لوگوں سے غالب کا تعارف بھی کرایا۔

باندے میں غالب نے کئی غزلیں لکھیں اس میں سے ایک غزل کا مقطع ہے۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے حرستی یاراں وطن یاد نہیں
اس درمیان گورنر جنرل کلکتہ واپس جا چکے تھے وہی
جانے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھاتا اس لئے باندے
سے بید سے کلکتہ جانے کے لئے سوچا۔ راستے میں الہ آباد

کچھ دن ٹھہرے لیکن اس شہر میں ان کو کچھ اچھا نہ معلوم ہوا
وہاں سے بنارس کے لئے چل دیئے۔

۳۔ بنارس کا سفر:-

الہ آباد میں ان کا دل نہ لگا اس لئے وہ بنارس
چلے آئے اور کئی دن تک قیام کیا یہ شہر ان کو بہت پسند
آیا۔ غالب نے اس شہر کے بارے میں یہاں تک لکھا
ہے کہ اگر میں بچپن میں یہاں آتا اور خانگی حالات میں رہتا
ٹھیک ہوتے تو میں یہی رہ جاتا۔ بنارس کا تذکرہ انہوں نے
اپنی مشہور چراغ دیر میں کیا ہے۔ اس مشہور میں انہوں نے
صاف دل سے بنارس کی تعریف کی ہے۔ اگرچہ بنارس
کے قیام کے بارے میں بہت کچھ حالات نہ مل سکے
پھر بھی بنارس کا اثر اتنا گہرا تھا کہ ۳۳ سال کے بعد بھی
وہ اس پر جان چھڑکتے تھے۔ میاں داد خاں کو انہوں نے
ایک خط میں لکھا۔ بھئی بنارس خوب شہر ہے مجھ کو بہت
پسند آیا۔ بنارس میں میاں داد خاں کے علاوہ اشرف حسین خاں
سے بھی ان کے تعلقات تھے اور انہوں نے بہت سا کلام
غالب صاحب کے پاس بطور اصلاح بھیجا تھا۔ اس طرح سے
ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا غالب نے بہت دن تک بنارس میں قیام کیا

کلکتہ کا سفر۔

غالب بنارس سے کلکتہ تک ناؤ ہی سے جانا چاہتے تھے لیکن کوئی ملاج سڑ روپیہ سے کم لینے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے کشتی سے جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور کئی جگہ ٹھہرتے ہوئے ۲۲ فروری ۱۹۲۵ء کو کلکتہ پہنچے۔

کلکتہ میں ایک مکان شملہ بازار میں لے لیا۔ یہ مکان مرزا علی سوداگر کی حویلی تھا جہاں آرام و آسائش کے سبھی سامان مہیا تھے۔ غالب کو کلکتہ بہت پسند آیا اس کی دل کھول کر تعریف کی ہے خاص طور سے مندرجہ ذیل قتلہ بہت مشہور ہے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
 وہ سبزہ زار ہائے معتبر کہ ہے غضب
 صبر آزمادہ انکی نگاہیں کہ حرف نظر
 وہ سیرہ ہائے تازہ و شیریں کی راہ واہ
 اک تیر ایسا کھینچ کے مارا کہ ہائے ہائے
 وہ ناز میں بتاں فدا را کہ ہائے ہائے
 طاقت رہا وہ انکا اشارہ کہ ہائے ہائے
 وہ بادہ ہائے تاب گوارا کہ ہائے ہائے

مرزا غالب نے اپنی زندگی میں صرف ایک لمبا سفر کیا تھا جب ان کو اپنی پیش کے مقدمہ میں دہلی سے کلکتہ جانا پڑا تھا۔ چونکہ غالب کو دہلی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے مگر سحاشی پریشانی نے

انہیں اس سفر کے لئے مجبور کیا۔ مولانا قالی نے اس سفر کے مقصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

کلکتہ جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے وفات پائی تھی اس وقت مرزا کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے بھائی کی عمر سات سال کی تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد ان کے متعلقوں اور وارثوں کے لئے جن میں مرزا اور ان کے بھائی بھی شریک تھے جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروز پور جھرمک پر محول کر دی تھی جب تک مرزا صغیر سن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پانے رہے جب سن تیز کو پہنچے اور شادی ہو گئی۔ عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں سب خراب ہو گیا لاچار فکر معاش دامنگیر ہوئی اول مرزا کو علم یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور جھرمک سے جس قدر پنشن ہمارے خاندان کے لئے گورنمنٹ سے مقرر کرانی تھی اس قدر کم نہیں ملتی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا اور قرض خواہوں کے تقاضے سے ناک میں دم آ گیا تھا اور چھوٹے بھائی کو جوان ہو گیا۔

غالب ان حالات سے عاجز آ گئے تھے۔ دوستوں کے

شور سے پرفیروز پور بھر کہ گئے تاکہ نواب سے پینشن میں اضافہ
کی درخواست کریں مگر ان کا یہ سفر ناکام رہا۔ نواب نے
اس طرف کوئی توجہ دی اور طے کیا کہ نواب نے پینشن کی جو
حصہ کی ہے اس کے خلاف کلکتہ میں گورنر جنرل کے یہاں
اپیل کریں ان دنوں ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ تھی۔

غالب جس کلکتہ پہنچے تو ان کی وہاں بہت قدر و عزت
ہوئی علمی حلقوں اور وہاں کے حکام نے ان کا بڑا جوش خیر مقدم
لیا کلکتہ میں مرزا غالب کو چند اچھے دوست بھی ملے۔ ان
دوستوں میں خاص اہمیت مولوی سراج الدین احمد لکھنوی کو
حاصل ہے جن کے نام مرزا غالب کے فارسی خطوط کافی تعداد
میں ملتے ہیں اور انہیں کی فرمائش پر غالب نے کلکتہ میں اپنے
دو فارسی کلام کا انتخاب کیا۔ دوسرے دوست یہ حسن لکھنوی
تھے جو غالب کے بڑے قدر والوں میں تھے۔

کلکتہ میں ایٹ انڈیا کمپنی نے ایک مدرسہ کھول رکھا
تھا جس کا نام مدرسہ عباسیہ تھا۔ اس میں ایک بزم سخن
بھی قائم تھی اور وہاں ہر مہینے کی پہلی اتوار کو مشاعرہ بھی
نقذ ہوتا تھا۔ غالب نے بھی اس کے مشاعروں میں
شرکت کی ہے۔

کلکتہ میں غالب کو اپنے پینشن والے مقصد میں کامیابی

نہ حاصل ہوئی حالانکہ ان کا قیام کلکتہ میں دو سال تک رہا
گورنر جنرل سے بھی ملے لیکن ناکامی ہوئی۔ اور مجبور ہو کر
۱۱ نومبر ۱۸۲۹ء کو غالب رہی واپس لوٹ آئے۔ اپنے
اس سفر کے درمیان انہوں نے دو اچھی مشوریاں با مخالف
اور چراغ دیر لکھیں۔

حالات غدر و کتاب و شنبوہ !

غدر کے زمانے میں مرزا غالب گھر سے بہت کم نکلتے تھے۔
 دو ایک دن تک بالکل باہر نہیں نکلتے۔ جو بھی بغاوت کا فتنہ
 کھڑا ہوا انہوں نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور غدر کے حالات
 لکھنے میں لگ گئے۔

حکیم محمود خاں ان کے پڑوسیوں میں تھے وہلی کے فتح
 ہونے کے بعد ہمارا جہ پیالہ کے سپاہی حکیم محمود خاں اور
 مرزا غالب کے مکان کی حفاظت کے لئے پرے پر بھیجے گئے تھے
 اس لئے وہ فتح مند سپاہیوں کی فتح کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ
 رہے لیکن پھر بھی ان کو طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا
 مرزا غالب کے چھوٹے بھائی جو بس برس کی عمر میں پاگل ہو چکے
 تھے جب مرزا غالب نے وہی میں سکونت اختیار کی تو اپنے
 چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے۔ مرزا کے مکان سے ان کا
 مکان تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ جس وقت وہلی
 کی یہ حالت تھی مرزا اپنے بھائی کی طرف سے بہت پریشان
 رہتے تھے۔ ایک دربان اور ایک کنیز مرزا کے چھوٹے بھائی

مرزا یوسف کے پاس رہتے تھے ایک دن معلوم ہوا کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی سپاہی گھس آئے اور جو کچھ سامان ملا لے گئے۔ ایک دن مرزا یوسف کے دربان نے مرزا غالب کو خبر دی کہ انکے بھائی کا پانچ دن سخت تپان میں مبتلا رہ کر انتقال ہو گیا ہے۔ اس وقت نہ تو کفن کے لئے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا اور نہ غنٹال اور گورکن مل سکتے تھے۔ شہر کے قبرستان لے جانے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا مرزا سخت پریشان تھے۔ پٹیا لے کے ایک سپاہی اور نوکرؤں کو ساتھ لے کر مرزا یوسف کے مکان پر پہنچے۔ ساتھ میں دو سفید چادریں بھی لیتے گئے۔ بعد چھبیس و تکفین کے مسجد کے صحن میں چ مکان کے قریب بھی دفن کر دیا مرزا نے دستنبوہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دستنبوہ میں غالب نے غدر کے حالات بہت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اس کتاب میں اس وقت کے بہت سے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مرزا غالب اور منشی نول کشور۔

منشی نول کشور کا شمار اردو زبان کے ان چند محسنوں میں کیا جاتا ہے جن کی کوششوں نے اردو زبان کو بہت ترقی دی۔ اردو ادب میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم و فنون پر بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ لکھنؤ سے ایک اودھ اخبار بھی نکالتے تھے۔

مرزا غالب کو منشی نول کشور کے کارناموں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں کیونکہ اودھ اخبار پابندی سے مرزا غالب کے پاس پہنچتا تھا۔ منشی نول کشور نے غالب کی کئی کتابیں چھاپی ہیں۔

مرزا غالب کے خطوط منشی نول کشور کے پاس آتے رہتے تھے۔ ایک بار منشی نول کشور نے مرزا غالب سے خط و کتابت کے ذریعہ ان کی تصانیف طبع کی اجازت بھی مانگی تھی۔ مرزا غالب کے خطوط جو انہوں نے منشی نول کشور کو لکھے ہیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالب انہیں کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

فہمی نو لکشور کے انتقال کے بعد ان کی قائم کردہ پریس
سے غالب کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں
جن میں دیوان غالب "فارسی" کلیات نظم غالب "فارسی"
دیوان غالب "اردو" عود ہندی۔ بہان قاطع کلیات نثر
غالب فارسی۔ فارسی کے خطیب قابل ذکر ہیں۔

بانی کتب و المطال



طہرا مآ

فرید عشق

بازرکچہ اطفال ڈراما

اشخاص

مرزا اسد اللہ خاں غالب

میر محمدی مجروح

داروغہ گلہ

نیاز علی

مدار خاں

مرزا غالب کے ذکر

میر صاحب :- مالک حویلی گلہ قاسم جان

فقیرے :- میر صاحب کا ملازم

مین لڑکے :- کتبہ علوم مشرقیہ کے طالب علم

دربان :- چار کھار

پہلا ایکٹ

دین کے دس بیج رہے ہیں۔ حلی کا بیرونی پھاٹک۔
 پھاٹک کے اوپر ایک کمرہ۔ پھاٹک کے بعد ایک چھوٹا سا
 صحن۔ صحن کے بعد والان۔ والان میں مرزا اسد اللہ خاں
 غالب اپنے مخصوص انداز میں تشریف فرما ہیں۔ سرخ سفید
 رنگ۔ بھری ہوئی واڑھی سر پر سیاہ پوسٹن کی ٹوپی۔ ملل کا
 انگرکھا اس پر رنگین جامہ دار چغہ پر کا سفید پانسجامہ
 پہنے گاؤتکے سے لگے بیٹھے ہیں۔ پاس میں حقہ اور نقشب
 اگالداں رکھا ہے۔ والان میں ہر چیز نفاست سے رکھی ہے
 دائیں طرف میر ہمدی مجروح بیٹھے ہیں۔ ایک ایک کر کے
 تین لڑکے کار چوہی کی گول ٹوپیاں اور ملل کے انگرکھے
 پہنے والان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پہلے السلام علیکم کہتے
 ہیں پھر پوچھتے ہیں۔

پہلا لڑکا: کیا مرزا اسد اللہ خاں غالب صاحب تشریف رکھتے ہیں
 میر ہمدی مجروح: آئیے آپ لوگ تشریف رکھئے۔
 اتنے میں مرزا غالب خود بول اٹھتے ہیں۔ جی ہاں تشریف

رکھنے صرف تشریف ہی نہیں رکھتے بلکہ آپ لوگوں کے سامنے موجود ہیں۔ اس ناچیز کو غالب کہتے ہیں۔ فرمائیے کیا بات ہے کہاں سے تشریف لائے ہیں آپ لوگ۔ پہلا لڑکا ہے۔ آپ کی عظمت و شہرت سن کر ہم لوگ اردو بازار سے حاضر ہوئے ہیں۔ آج ہم لوگ چاہتے ہیں کہ چند لمحے آپ کی خدمت میں گزاریں اور آپ کے فن۔ آپ کی شخصیت۔ عظمت و شوکت کے بارے میں کچھ جان سکیں۔ بڑی عنایت ہوگی اگر آپ اپنے حالات زندگی پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ ہم لوگ آپ کے بہت احسان مند ہونگے۔ مرزا غالب :- عجب کشمکش میں لیکن کچھ سوچ کر میر ہمدی مجروح کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے یہ کام میرے بجائے آپ انجام دیتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ آپ سے کیا چھپا ہے آپ میرے بارے میں سب جانتے ہیں۔ پورا پورا ایک شعر پڑھتے ہیں۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

شکوئی بتلاؤ کہ ہم بستلا میں کیا

میر ہمدی مجروح :- آپ کا حکم سزا کھوں پر۔

پہلا لڑکا :- حضور یہ نہیں ہو سکتا۔ گستاخی سوائے فرمائیے گا۔

ہم لوگ اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کی کہانی آپ ہی کی

نرہانی سنی جائے۔ ورنہ مزار کیا رہ جائے گا۔ شگفتگی کے ساتھ
 مرزا غالب :- نگاہیں اونچی کرتے ہوئے بڑی شگفتگی کے ساتھ
 اچھا تو پوچھے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ حضرات۔
 پہلا لڑکا :- آپ کے آباؤ اجداد کہاں سے تشریف لائے تھے
 آپ کے والد بزرگوار کا اسم کراچی کیا تھا۔ سنا ہے آپ
 قوم کے ترک ہیں یہ قوم تلوار کی یعنی اور بات کی بچی ہوئی
 ہے۔ آپ نے تلوار کے مقابلے میں قلم کو ترجیح کیوں دی
 کسی فوج کے ملازم ہوئے یا نہیں۔ آپ کہاں اور کب
 پیدا ہوئے۔

مرزا غالب :- کیا پوچھتے ہو میرے بارے میں ۱۲۱۲ھ میں
 شہر آگرہ میں پیدا ہوا۔ میرے دادا شاہ عالم کے زمانے
 ہندوستان آئے تھے۔ میرے والد جن کا نام عبدالعزیز
 تھا۔ پہلے لکنؤ۔ پھر حیدرآباد میں ملازم ہوئے بعد میں
 چلے گئے اور یہیں کسی لڑائی میں مارے گئے اس وقت
 میری عمر پانچ سال کی تھی۔ میرے چچا نے میری پرورش کی
 لیکن تین سال بعد یہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب کیا
 بتاؤں۔

پہلا لڑکا :- خدا نے آپ پر بڑے بڑے ظلم کئے ہیں۔ اتنی
 کم عمری میں باپ اور چچا کا سایہ سر سے اٹھ جانا۔ آفتاب کا

سوانیزے پر آجانا ہے۔ پھر آپ کی تعلیم و تربیت کیسے ہو
 مرزا غالب۔ شیخ معظم جیہا سلم باکھ لگ گیا تھا میں نے
 اسکا دامن تمام نیا اس لئے مجھ کو فارسی اور اردو زبان اچھی طرح
 سکھادی۔ پھر جی جو کچھ رہی سہی کسر معنی ملا عبدالصمد جو
 فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے پوری کر دی
 میرا بچپن بہت شاندار گزارا ہے۔ نانہال خوش حال تھا
 اس لئے میں بھی مست تھا۔ بچپن سے مطالعہ کا شوق رہا سو
 سوات تک ہے۔

دوسرا لڑکا۔ حضور تمام عمر مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے
 پاس کافی کتب ہوں گی۔ ان میں سے دو ایک کتابیں مجھ کو
 پڑھنے کے لئے دیکھئے۔ دو چار دن بعد آپ کی کتابیں
 بخوبی واپس کر دوں گا۔

مرزا غالب۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ خواہش نہ پوری
 کر پاؤں گا۔ باوجود اس کے کہ ساری عمر پڑھنے لکھنے
 میں گزری۔ جس طرح تمام عمر رہنے کے لئے مکان نہیں
 خریدا اسی طرح کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ ہمیشہ کتب فروخت
 کی دوکانوں سے کتابیں کرائے پر منگالیتا ہوں اور مطالعہ
 کے بعد واپس کر دیتا ہوں۔

دوسرا لڑکا۔ ہم لوگوں کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔ والدین کہاں تک

کتابوں کے اخراجات برداشت کریں۔ لیکن واقعہ یہی ایسا ہونا چاہئے کہ کتاب ذہن میں اتر جائے ورنہ مطالعہ سے کیا فائدہ۔

مرزا غالب :- میں تو ہر کتاب امرِ طرح دیکھتا ہوں کہ دوبارہ دیکھے دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بہت سی باتیں ذہن میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ بعض اوقات تو مطالعہ میں امتناع ہو جاتا ہوں۔ کھانا کھا رہا ہوں۔ بوی ناک میں دم کر رہی ہیں پہلے کھانا کھا لیجئے مطالعہ بعد میں کیجئے گا۔ لیکن کتب اٹھانے کے بعد رکھنے کا دل ہی نہیں چاہتا۔
دوسرا لڑکا :- حضور تو آپ کی حکیم بہت چراغ پاموٹی ہو گئی یہاں تو انہی کا یہ حال ہے کہتی ہیں پہلے کھانا کھا لو پھر کتابیں لے کر بیٹھا کرو

مرزا غالب :- میری بوی جن کا نام امراؤ جان ہے۔ سچی خدا پرست ہیں اور نماز سے فارغ ہوئیں اور کھانے کا تقاضا شروع ہو گیا۔ سیر مہدی مجرد حج تو ان کو خوب جانتے ہیں۔

پہلا لڑکا :- سچ ہے عورتیں خدا کو زیادہ پہچانتی ہیں۔ ان کو روٹی کام آتے ہیں خانہ داری یا نماز روزہ۔ آپ کی شادی کہاں اور کب ہوئی تھی۔

مرزا غالب :- شادی کے بارے میں کیا پوچھتے ہو، رر جب
 ۱۲۲۵ء کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بڑی
 (بوی) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی کو زنداں مقرر کیا
 اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا گیا۔

پہلا لڑکا :- دلی کو بہت خوبصورت شہر ہے حضور پھر آپ اسکو
 زنداں کیوں کہتے ہیں۔ لال قلعہ۔ جامع مسجد حضرت نظام الدین
 اولیا کا مزار اُردو بازار کیا نہیں اس شہر میں موجود ہے ہمارے
 لئے تو جنت ہے یہ شہر۔

مرزا غالب :- بھئی تم لوگ ابھی دلی سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ اسکی
 خوبصورتی میں کیا شک ہے لیکن اس کے اتنے تھنی باراجڑی۔

دیران ہوئی۔ دیران ہو کر آباد ہوئی۔ بہاریں
 اس شہر میں داخل ہوئیں تو انہیں دعوم سے
 جھونکوں نے اس کو کہیں کا نہ رکھا۔ بیٹا برب سے دلی میں
 انگریزوں نے قدم چمانا شروع کئے ہیں میرے لئے زنداں ہے
 یہ شہر بڑا فتنہ تماشہ یہ ہے کہ پاؤں میں بوی کی بڑی بڑی ہے
 بھاگ کر جاؤں تو کہاں۔ کئی جگہ کے سفر کئے لیکن لوٹ کر
 اسی زنداں میں قیام کیا۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا تم لوگ جانتے
 ہو گے۔

دوسرا لڑکا :- ۱۸۵۷ء میں جب دلی کی بُری حالت تھی۔ قید و بند کی

زندگی تھی۔ بیٹا و شوارہ ہو گیا تھا ہر شخص پریشان حال تھا۔
دلی کی تہذیب ختم ہو رہی تھی۔ انگریزوں کے قدم دلی میں
اچھو طرح جم چکے تھے۔ باغیوں کو سر بازار بھانسی دی جا رہی
تھی اس وقت آپ اور آپ کے بال بچے کہاں تھے اور
حوٹلی میں یا شہر کے باہر۔

مرزا غالب :- بھی بال بچوں کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ جو
تہتر برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے۔ لڑکے بھی لڑکیاں
بھی اور کسی کی عمر بندہ چھینے سے زیادہ نہیں ہوئی۔ البتہ
میری بیوی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کا انتقال
ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں بچے اس وقت میرے پاس موجود
تھے۔ دو تین نوکروں اور ان دو بچوں کے ساتھ میں اس
حوٹلی میں قید تھا جس میں تم لوگ بیٹھے ہو۔
دوسرا لڑکا :- تو کیا آپ اس حوٹلی میں قید تھے۔ انگریزوں نے
آپ کو شہر بند نہیں کیا تھا۔ یا حکم تھا کہ آپ اس حوٹلی میں
قید و بند کے عالم میں رہیں۔

مرزا غالب :- جیسا قید سے مراد ہے کہ میں اس حوٹلی کے باہر بہت
کم آتا جاتا تھا۔ نکلنا ضرور تھا تاکہ باہر کے حالات معلوم ہوتے
رہیں لیکن بہت ہوشیاری کے ساتھ۔ قید تو میں ایک بار ہوا
ہوں یہ میری زندگی کا سب سے دلچسپ حادثہ ہے۔ کبھی

ایک مرتبہ تمہارے بازی کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا کو تو ال
 دتھ تھا اور مجسٹریٹ ناوائف۔ فتنہ گھاٹ میں تھا اور
 ستارہ گردش میں۔ باوجود یہ کہ مجسٹریٹ کو تو ال کا حاکم ہے
 میرے بارے میں وہ کو تو ال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا
 حکم صادر کر دیا سیشن جج باوجود یہ کہ میرا دوست تھا
 اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور جہربانی کا برتاؤ کرتا تھا اور کثرت
 صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اس نے بھی تفاعل اختیار کیا۔
 پہلا لڑکا ہے۔ آپ جیسے عظیم شاعر اور عالی مرتبت ہستی کے لئے قید
 بند کی زندگی کہاں تک درست ہے۔ اپیل کیوں نہیں کی۔
 کون سا ایسا گناہ کیا تھا اول تو شاعر کا جرم ہی کیا ہوتا ہے۔
 کبھی کبھی ایک معصوم گنہگار کی طرح زندگی گزار دیتا ہے مکینوں
 نے آپ کو جیل کیوں بھیج دیا۔
 مرزا کا لقب ہے۔ تم نے تو بیچ میں تقریر کرنا شروع کر دی پورا قصہ
 تو سنو میں نے صدر میں اپیل کی تھیں کسی نے کچھ نہ سنا۔
 وہی حکم کمال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی
 سوار گزری تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رپورٹ
 کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی
 رپورٹ بھجوانے پر اس کی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحم دل
 حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرت کی اور میری خاکساری اور

آزادہ حالی سے اس کو مطلع کیا۔ یہاں تک کہ خود بخود اس نے
سیری ربانی کی رپورٹ بھیج دی۔ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا
ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جاسکتا۔

پیسر لڑکا :- سچ ہے حضور خدا سے لڑ نہیں جاسکتا۔ یہ وقت
آپ قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے اسوقت میں حویلی میں
بیم لوگ بیٹھے ہیں دیران ہو گئی ہوگی۔ اس لئے دروازہ
ان کے لئے در رہے ہوں گے۔ لوگوں کا کیا حال ہوا
ہوگا۔ حویلی ماتم کدہ بڑی ہوگی۔ اس حویلی میں آپ کب سے
سقیم ہیں۔

مرزا غالب :- بیٹا کیا پوچھتے ہو دس گیارہ برس سے اس
ٹنگنائے میں رہتا ہوں۔ سات برس تک ماہ بہ ماہ پارہ چھ
وینے لگا۔ تین برس کا کرایہ کچھ اور سو ایک مشمت دیا
گیا۔ مالک نے مکان بھی ڈانٹا جس نے لیا ہے اس نے
مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا۔ مکان خالی کرو۔ مکان کہیں
ملے تو اٹھوں۔ بد عہد نے مجھ کو عا جز کیا اور تار لگا دی
صحن بالا خانے کا جس کا دو گز عرض اور دس گز طول اس میں
باڑہ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سوتا ہوں۔ گرمی کی شدت
پارہ کا قرب۔ گمان یہ گذرتا ہے کہ کنگر ہے اور صبح کو
مجھ کو چھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزر چکی ہیں اب

دوسرے مکان کی تلاش ہے۔

ٹیسرے لڑکا۔ حضور والا آپ کو مکان کی تلاش ہے چلے آج ہی دوسرا مکان تلاش کئے دیتا ہوں۔

پہلا لڑکا :- قبلہ قاسم جان کی گلی میں ایک مکان خالی ہے۔ یہ مکان میر صاحب کا ہے اگر پسند آجائے تو ضرور لے لیجئے مکان اس حویلی سے چھوٹا ہے لیکن اچھا ہے۔

مرزا غالب :- بھئی تم لوگ کام کے جان پڑتے ہو۔ مکان ضرور دیکھوں گا پالکی کا انتظام کر داتا ہوں۔ گھر میں بھی شورہ کر لوں پھر نوکروں سے پالکی منگواؤں۔ کہا روں کے بند و بست کے لئے آدمی بھجوں۔ یہ کہہ کر مرزا غالب بالا خانے کی طرف چل دیئے ہیں۔ میر مہدی مجروح جو خاموشی سے تمام گفتگو سن رہے تھے لڑکوں کی طرف مخاطب ہیں۔

میر مہدی مجروح :- مرزا کی شخصیت انتہائی پرکشش ہے ماشارائے سے تم لوگ بہت ذہین ہو بڑی خوبصورتی سے مرزا سے گفتگو کی ہے درمیان کا یہ عالم ہے کہ بہت کم بولتے ہیں۔ جو بات بولتے ہیں لطیفے سے خالی نہیں ہوتی۔ کس درجہ کے طالب علم ہیں آپ لوگ کہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

پہلا لڑکا :- ہم لوگ مکتبہ علوم شرقیہ میں تعلیم پاتے ہیں اور نویں درجہ کے طالب علم ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد مرزا غالب دیوان خانے میں دوبارہ تشریف لے آتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ صابو کھانا تیار ہے۔ پہلے کھانا کھالیا جائے۔ تمام تک سکان دیکھنے چلیں گے۔ لڑکے کھانا نہ کھانے کا عذر پیش کرتے ہیں پھر رخصت ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ شام کو چار بجے دوبارہ حاضری کا وعدہ کرتے ہوئے حویلی کے باہر آجاتے ہیں۔

دوسرا ایکٹ

مرزا کی حویلی کے بھانگ کے سامنے مالکی رکھی ہے۔ محل کی سند اس کے اندر لگی ہے۔ ایک حرف گاؤں تک رکھا ہے۔ پالکی کے اوپری حصہ پر کار چوبی کے کام کا ایک پردہ بٹلا ہے۔ یہ پردہ تھوڑا چاروں طرف لٹک رہا ہے۔ پاس میں چار کھار اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ مرزا صاحب پالکی میں سوار ہوں۔ بھانگ کے اندر میں لڑکے مرزا صاحب کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ مرزا صاحب تشریف لا چکے ہیں سر پر سیاہ لہنی ٹوپی ہے۔ نمل کا انگر کھا پہنے ہوئے ہیں۔ برکاسفید پاجامہ پہنے پالکی کے اندر آہستہ آہستہ سے سوار ہو جاتے ہیں

لڑکوں کی طرف آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا روں سے پالکی لے چلنے کو کہتے ہیں۔ پالکی گلی قاسم جان میں مسجد کے پاس آ کر رک گئی ہے۔ لیکن اس انتظار میں مرزا پالکی سے نہیں اترے ہیں کہ مالک مکان آریں۔

لڑکے قاسم جان کی حویلی میں داخل ہو جاتے ہیں دربان کے ذمے بھیہلا بھیجتے ہیں کہ مرزا اللہ اللہ خاں غالب تشریف لے آئے ہیں۔ مکان دکھلا دیتے ہیں۔

دربان نے اللہ اللہ پوچھا وہی چہ مالک کے کہلا بھیجا ہے کہ کہہ دو ابھی حاضر ہوا۔ بھٹک مرزا صاحب کو حویلی کے دیوان خاص میں تشریف رکھنے کے لئے کہا جائے۔ آپ لوگ مرزا صاحب کو حویلی کے دیوان خاص میں لے آئیے۔

لڑکے بہت اچھا ہم لوگ مرزا صاحب کو اچھا لے آتے ہیں۔ تم دیوان خاص کو ذرا دیکھ لو ہم لوگ ابھی آئے ہیں۔ لڑکے بہت حیرت والا تشریف لے چلے آپ سے دیوان خاص میں مالک مکان نے تشریف رکھنے کے لئے کہا بھیجا ہے۔

مرزا غالب بہت لوگوں کو معلوم ہے۔ اُنہی سے پوچھ کر دانہ ہوا۔ میں کسی کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر مالک مکان کو مکان کرائے پراٹھانا ہے تو میرے پاس خود آئے اور مجھ کو

پانگی سے اُتار کر جہاں چاہے۔ لے چلئے۔ میں مکان دیکھنے آیا ہوں کسی کے دیوان خاص میں کسی کا انتظار کرنے نہیں آیا ہوں۔

اتنے میں میر صاحب جو اب اس حوٹلی کے مالک ہیں۔ پانگی کی طرف نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے سامنے ان کا غلام فقیر سے ان کے پیچھے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ فقیر سے ہونے قد کا گول سٹول۔ چوڑی چوڑی آنکھیں۔ بڑی بڑی سیاہ سونچیں اس کے چہرے پر لٹک رہی ہیں۔ یہ میر صاحب کا بہت منہ چڑھا ہے۔

میر صاحب :- حضور تشریف آوری کا بہت بہت شکر ہے۔ میں ان کا انتظار کر رہا تھا ان بچوں نے دوپہر میں اطلاع دی تھی کہ آپ تشریف لائیں گے۔ کہنے کیا حکم ہے آپکا ہر حکم سر آنکھوں پر۔

مرزا غالب :- آج صبح مجھ کو ان بچوں نے اطلاع دی کہ آپکا ایک مکان خالی ہے۔ میں نے سوچا دیکھا جائے۔ سو حاضر ہوا ہوں۔

میر صاحب :- آج تشریف لائے مکان بعد میں دیکھا جائے گا پہلے میرے عزیز خانے پر تشریف لے چلئے۔ ناشتہ آپکا انتظار کر رہا ہے۔

مرزا صاحب :- مرزا صاحب پانکی سے اترتے ہی میر صاحب کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ تینوں لڑکے بھی چل دیتے ہیں۔ مرزا غالب کی نظر اچانک فقیرے پر جا کر رک جاتی ہے۔ کبھی اس کے چہرے پر کبھی قد بڑے۔

فقیرے :- حضور تشریف لے چلئے آپ کو مکان دینے کیلئے مالک سے ضرور کہوں گا۔ آپ جیسے لوگ اگر اس گلی میں آگئے تو گلی آباد ہو جائے گی۔

میر صاحب :- آہستہ سے فقیرے کا ہاتھ دباتے ہوئے ابلے چپ تیری زبان رکنے کا نام نہیں لیتی وقت بے وقت چلا ہی کرتی ہے۔ فقیرے مونچھوں کو دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے ایک مخصوص انداز میں خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ فقیرے کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

مرزا غالب ! فقیرے بہت دلچسپ ہو۔ خدا کرے تمہاری مونچھوں کی رکھوالی جنت میں حوریں کریں حوریں۔ ان مونچھوں کا قلم کہاں سے سنگوا یا ہے۔

فقیرے :- حضور ملیح آباد سے جہاں سے آپ لوگ آئے سنگواتے ہیں یہاں کے خالی صاحبان زندگی میں وہی کام کرتے ہیں۔ پہلا کام تو آم کی باغیں لگواتے ہیں۔

دوسرا کام بڑی بڑی سرخیں رکھواتے ہیں۔ بہت ہی ٹھنڈ کے لوگ ہوتے ہیں۔

مرزا غالب :- زور دار قہقہے کے ساتھ واقف فقیہ سے بہت دلچسپ ہو۔ ام میری مرعوب غذا ہے اور سرخیں تمہاری۔ اور میر صاحب نے ڈانٹ بتائی اور تم نے دانٹوں کے نیچے سرخیں دہالیں۔

میر صاحب :- حضور تشریف لے چلئے یہ مکینت پر ہی بکٹا رہتا ہے بعض اوقات اس سے طبیعت بہت عاجز آجاتی ہے اور بعض اوقات بے تحاشا ہنسی آجاتی ہے۔

بچے کی کچھ پرانی عمارتوں والی گلی حکیم محمد شریف خاں کی سجد سے شروع ہوئی ہے۔ پاس ہی میر صاحب کی حویلی ہے۔

مرزا غالب حویلی میں داخل ہو رہے ہیں۔ پہلے دربان آداب بجالاتا ہے۔ پھاٹک کے سامنے ایک بڑا سا صحن ہو صحن ختم ہوتے ہی ایک چبوترہ دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ملا ایک بڑا سا والان ہے۔ والان تک پہنچنے کے لئے سیر پھیاں بنی ہیں۔ مرزا غالب اس والان میں نمیٹھ چکے ہیں پاس ہی تینوں لڑکے اور میر صاحب بیٹھے ہیں۔ جہاں پر والان کا فرش ختم ہوتا ہے فقیہ سے خاموش اس انتظار میں کھڑا ہے کہ مالک کی طرف سے کوئی حکم ہو۔ والان واقعی کسی رئیس کا دیوان

اقاص نظر آ رہا ہے۔
 میر صاحب :- فقیرے دیکھتے کیا ہو۔ آج اس حویلی میں مرزا غالب
 بھی شخصیت بظہرہ امروز ہے اور تم خاموش تماشائی کی طرح
 کھڑے ہو۔ جاؤ پان لگواؤ اور بیگم صاحبہ سے پوچھنا شہ
 تیار ہے۔

فقیرے :- اچھا حضور جو حکم سرکار کا ابھی جاتا ہوں اور فوراً واپس
 آتا ہوں۔

مرزا غالب :- پان تو ہیں کھاتا نہیں۔ بھی تمہارا خادم خوب ہے
 مجھ کو بہت پسند ہے بڑا حاضر جواب جان بڑتا ہے۔
 میر صاحب :- حضور کیا کہوں ایک دلچسپی کا سامان ہے۔ اس کے
 بغیر ایک پل چین بھی نہیں آتا اور بعض اوقات اس کی موجودگی
 بھی کھل جاتی ہے۔

مرزا غالب :- ایسے آدمی کباب ہی پھر آجکل جبکہ آدمی پراڈمی کا
 اعتبار اٹھتا جا رہا ہے انجے ایماندار نوکر کا ہاتھ لگ جانا بھی
 قسمت کی بات ہے

فقیرے :- حضور پان حاضر ہیں چاندی کا فاصدان بڑھاتے ہوئے
 بیگم نے کہا بھیجا ہے کہ ناشتہ تیار ہے
 میر صاحب :- مرزا صاحب پان نہیں کھاتے۔ ابھی پان رہنے دو
 پہلے ناشتہ لگا دو جلدی کرو۔

مرزا غالب :- ابھی چھوڑیئے ناشتہ میں تو اسی وقت ناشتہ کرنے کا
 عادی نہیں ہوں۔ ان بچوں کو حضور ناشتہ کرا دیکھئے میں معافی
 پاپتا ہوں آئندہ کبھی شام یا دوپہر کے کھانے پر رکھا جائے گا۔
 میر صاحب :- حضور یہ تو نہیں ہو سکتا آپ سے میرے عزیز خانے پر
 تشریف لادیں اور ہم آپ کو ایک گلاس پانی کے لئے بڑھیں
 بیگم نے یہ سن کر کہ آپ تشریف لارہے ہیں بڑی محنت اور
 خلوص کے ساتھ ناشتہ لگا رہے ہیں ایک بھی نوکر کو باور پانے
 میں سنبھلنے نہیں دیا بلکہ سارا ناشتہ خود ہی تیار کیا ہے۔
 شاہی کچے شیر برنج۔ شہزادے شایع کباب۔ شامیر
 بسین کی دغیہ دغیہ ساری چیزیں بڑی مشہور سے پکاٹی
 ہیں۔

مرزا غالب :- اچھا بہت خوب پھر فقیرے کو پاس بلائے ہوئے
 راز دارانہ طور پر فقیرے اپنا کان ادھر لادو۔
 پہلے تو فقیرے سے جو سچا رہ جاتا ہے۔ سب لوگ حیرت سے
 غالب کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ کر آہستہ آہستہ فقیرے
 اپنا کان غالب کے پاس لے جاتا ہے۔
 مرزا غالب :- بہت چیکے سے کان تو ساری چیزیں بڑی مشہور سے
 لگائی ہیں بیگم صاحبہ نے۔ مگر خاص چیز تو تم گنا نا بھول گئے
 یہ بھی بڑی مشہور سے ہے۔

فقیر سے :- حضور سمجھ گیا۔ سمجھ گیا آپ کا مطلب۔ ش۔ ر۔ اب
 خوب سمجھے گی جب مل بیٹھیں گے دیرانے دو۔ صحتی جلدی
 ہو سکے مسجد کے پاس والے مکان میں تشریف لے آئیے۔
 اس وقت اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے وہ بھی میر صاحب
 کے سامنے۔ یہ کہہ کر فقیر سے مرزا صاحب کے کان کے
 پاس سے اپنا منہ ہٹا لیا ہے۔

میر صاحب :- حضور کیا راز دارانہ گفتگو ہو رہی تھی دونوں میں۔
 کیا اس کمبخت نے آپ کے کان میں کہا۔ اس کمبخت کو
 چھوڑیے ناشتہ تیار ہے دیر ہو جائے گی۔ بیگم انتظار
 کر رہی ہوں گی۔

مرزا غالب :- یونہی اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا کوئی خاص
 بات نہ تھی۔ دل لگی کہ ایک آدھ بات تھی سو کر لی اور
 لطف اندوز ہو لیا۔

فقیر سے :- خوان میں ناشتہ سجائے۔ یہ رہے شاہی ٹکڑے
 یہ رہے شیرانے یہ رہی شیر بر بنج۔ یہ رہے شاہی کباب
 یہ رہیں شاخیں بسین کی۔

میر صاحب :- جان پڑتا ہے تیری خبر لینا پڑے گی ذرا کم بولا کہ
 فقیر سے :- مالک جب سے یہ سنا ہے کہ مرزا غالب اپنی گلی میں آکر
 رہنے والے ہیں میرا دل بھولتا جا رہا ہے۔ میری غلطیوں کو معاف

فرمائے گا مالک۔ پھر اپنی سونھیں دانتوں کے نیچے دبائے ہوئے
مالک مرزا صاحب اپنی گل میں آجائیں گے تو آپ شاعر
کروائے گا۔

میر صاحب :- لیجئے یہ شامی کباب اور کھائے۔ معلوم ہوتا ہے
آپ کو بہت پسند ہیں اور سنگو اداں۔ آپ اچھی طرح سے
ناشتہ کیجئے

مرزا غالب :- بے فکر رہے اچھی طرح سے ناشتہ کر رہا ہوں۔
البتہ یہ بچے سست رفتاری سے کام لے رہے ہیں۔ مجھ کو
تو ناشتے سے زیادہ فقیرے کی باتوں میں لطف آ رہا ہے۔
میر صاحب :- اجی چھوڑیے اس کمبخت کو۔ اصل مقصد یہ آیا جا
میں بہت شرمندہ ہوں آپ جیسی عالی مرتبت سہتی سے انکار
کرتے نہیں بنتا لیکن میں مجبور ہوں چونکہ یہ مکان سجد کے پاس
سے لہذا گلی والوں کو اعتراض ہوگا۔ حضور آپ کے بارے
میں کون نہیں جانتا۔ امید ہے حضور معاف فرمائیں گے۔
مرزا غالب :- بہت بہت شکر یہ آپ کا کہنا درست ہے بچوں
میری پاپوش کدھر ہے۔ اچھا میر صاحب اجازت دیجئے۔
میر صاحب :- آپ تو خفا ہو کر جا رہے ہیں۔ میرا دل پاش پاش ہوا
چاہتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ ان
بچوں کو روک دوں کہ آپ کو زحمت نہ دیں۔ میں خود آپ کے

اسی پاس حاضر ہوا جاتا لیکن بیگم کے اصرار پر جن کو آپ سے
 بہت عقیدت ہے آپ کے بہت سے اشرافان کو یاد
 ہیں آپ کو مکان دینے کی سفارش بھی کی بچوں کو روک

نہ سکا۔
 فقیرے بیگم صاحبہ کے پاس دوڑا ہوا جاتا ہے غضب ہو گیا
 بیگم صاحبہ مالک نے مرزا صاحب کو مکان دینے سے انکار
 کر دیا ہے اور میں خفا ہو کر جا رہے ہیں۔
 بیگم صاحبہ :- جتنی جلدی ہو سکے تم میرا صاحب کو اندر بھیج دو
 اور فوراً جا کر مرزا صاحب کے پیر پچڑ کر پھوٹ پھوٹ کر
 رونا شروع کرو جب تک میرا صاحب اندر سے واپس
 نہ چلے جائیں تم مرزا صاحب کے پرمت چھوڑنا۔
 فقیرے :- مالک آپ کو بیگم صاحبہ فوراً بلا رہی ہیں۔ تشریف
 لے چلے پھر مرزا صاحب کے پیر پچڑ کر رونا شروع کر دیتا
 ہے ہر چند مرزا صاحب اپنے پیر ہٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن
 فقیرے چھوڑنے کا نام نہیں لیتا۔

میر صاحب :- کیا بات سے بیگم۔
 بیگم :- بات کیا ہے آپ کو مکان مرزا صاحب کو دینا ہی ہوگا
 ہم کو فخر کرنا چاہئے کہ مرزا جیسی سستی اس گلی میں تشریف لائی
 ہے محلے والے جو کچھ بھی کہیں لیکن مسجد پر مرزا صاحب بالکل

ابن انداز نہ ہوں گے۔ مسجد اپنی جگہ ہے اور مرزا صاحب اپنی جگہ۔ مرزا غالب ایک فرشتہ صفت انسان ہیں۔ جن کی تیرہواںی سے فرشتے وضو کرتے ہیں۔ وہ صرف ایک بار وہ خوار نہیں ہیں بلکہ ولی ہیں۔ جن کے ایک شعر پر فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں۔ جن کا کلام الہامی ہے زبان شیریں ہے۔

یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مرزا غالب کو، مسجد کے پاس والے مکان کرائے پر نہ دیا جائے۔ جاپیے مرزا صاحب سے معافی مانگئے اور ان کو مکان کرائے پر لینے کے لئے آمادہ کیجئے۔ فقیر سے :- حضور آپ کو مکان مل کر رہے گا خدا کے لئے خفا نہ ہوں میر صاحب ذرا سی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گے ان پر کبھی کبھی ایسا ہی دورہ پڑتا ہے جس بات کا اقرار کرنا ہوتا ہے پہلے انکار کرتے ہیں ہوش آنے پر معافی کے طلبکار ہوتے ہیں۔

میر صاحب :- مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو رہی تھی۔ شرمندگی کا کس طرح اظہار کروں۔ اپنے کہے جملے واپس لیتا ہوں جو غالباً آپ کو ناگوار گزرے ہیں اور آپ سے دست بستہ استدعا ہے کہ مکان مجھ سے کرائے پر لے لیجئے آپ کے آجانے سے اس گلی کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔ چلئے

آپ کو مکان دکھلا دوں
مرزا غالب :- آپ کے اس تغافل کے ساتھ آپ کی اس عنایت
اور محبت کا بہت بہت شکریہ۔ چلئے مکان دیکھ لیا جائے
میر صاحب چلئے حضور تشریف لے چلئے۔ ارے فقیر سے
شمع ست بھولنا۔

میر صاحب صدر دروازہ کھول دیتے ہیں۔ مرزا غالب
فقیر سے اور تمیوں لڑکے مکان کے اندر داخل ہو جاتے ہیں فقیر سے
شمع روشن کر چکا ہے۔ اذان ہو چکی ہے۔ میر صاحب نماز پڑھنے
قریب کی مسجد میں چلے جاتے ہیں۔

فقیر سے :- حضور یہ مکان آپ کے لئے بہت مناسب رہے گا
میر صاحب کہہ سلمان ہیں کسی مولانا کو دینے کے چکر میں تھے
وہ تو کہئے قسمت سے آپ تشریف لے آئے۔

مرزا غالب :- مکان تو چھوٹا ہے لیکن اچھا ہے پھر ایک بار
چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں
فقیر سے :- شمع ادبھی کئے ہوئے حضور مکان پسند آیا۔

مرزا غالب :- یہاں فقیر سے مکان تو پسند ہے لیکن سوچ رہا ہوں
زمان خانہ کدھر رہے گا۔ بلے۔ بتیاں۔ طوطے۔ مرغے
مرغیاں۔ بکریاں۔ بھیر کدھر رہیں گے۔ گھوڑا کدھر باندھا
جائے گا۔ نوکر کدھر رہیں گے۔

فقیرے :- زیادہ سوچنے بچار نے کی زحمت نہ کریں۔ حضور میں چلے آئیے سب ہو جائے گا۔ مکان میں جگہ بہت ہے۔ اتنے میں میر صاحب نماز پڑھ کر واپس آجاتے ہیں اور مکان کی بابت مرزا سے دریافت کرتے ہیں۔ میر صاحب :- کہئے حضور مکان پسند آیا۔

مرزا صاحب :- مکان کیوں نہ پسند آتا میرے لئے بہت اچھا ہے کسی طرح گذر ہو جائے گی۔ اچھا تو میر صاحب بات صاف ہو جائے۔ آج نقد۔ ادھار پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ میر صاحب :- اچی حضور کرائے کی بات کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ میں آجائے وے دیکھے گا۔ ویسے تو سولانا نور محمد لینے کو کہہ رہے تھے۔ پیشگی کرایہ لے کر آئے پانچ روپے ایک ماہ کے میرے ہاتھ پر رکھے لیکن میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دیکھا جائے گا۔

مرزا صاحب :- میر صاحب لیجئے پانچ روپے پیشگی کرایہ ایک ماہ قبول فرمائیے۔ کل تک بوریا بستر لے کر آجاؤں گا۔ شب بخیر اجازت دیجئے۔ وعلیکم السلام

دوسرے دن مرزا غالب سارے ساز و سامان کے گلی قاسم جان میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے ساتھ کئی عدد نوکر مرغے۔ مرغیاں۔ کبوتر۔ بٹے۔ بلبیاں۔ طوطے کا پنجرہ بکرے

بحریاں عربی گھوڑا اور خرگوش گلی قاسم جان میں مقیم ہیں۔
چند روز بعد دیوان غالب میں ایک اور شعر کا اضافہ
ہو گیا ہے۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندہ مکینہ ہمایہ خدا ہے

تیسرا ایکٹ

دیوان خانے میں مرزا غالب گاؤں کی ٹیک لگائے
بٹھتے ہیں۔ مکان کا بیرونی پھانک بند ہے۔ مرزا غالب
کے چہرے سے افسردگی کے آثار نمایاں ہیں ان کے دائیں
جانب کلو داروغہ جو ان کا سب سے پرانا نوکر ہے کھڑا ہے
مرزا غالب :- ذرا کان لگائے رکھنا۔ لوٹ مار کرنے والے
اس گلی میں داخل ہو گئے تو خیریت نہیں۔

کلو داروغہ :- سرکار کیا بتایا جائے عجیب قیامت کا عالم ہے
شہر کے ہر کوچے اور بازار میں قہر نازل ہے۔ خدا ہی اپنا
رہم رکھے۔ مال و اسباب کا ذکر ہی کیا جان بچ جائے

تقسیم جائیے۔

مرزا غالب بہ ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ بے چاری عورتیں اور معصوم بچے بے رحمی کے ساتھ قتل کئے جا رہے ہیں۔ انصاف کا کہیں نام نہیں حق پرستی ایک جرم بن کر رو گئی ہے۔ میں جانتا ہوں اس بیخار میں ظلم یہ ہے کہ جو شخص اظہارِ اظاعت نہ کرے اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کا مال و اسباب چھین لیا جائے۔

کلوداروغہ بہ شہر کے بہت سے لوگوں کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ شہر کے اندر موجود ہیں لیکن بہت پریشان ہیں۔ جن لوگوں نے جنگلوں میں پناہ لی ہے ان کے لئے ابھی کوئی حکم نہیں ہوا ہے۔

مرزا غالب بہ حکم کی بات کرتے ہو جو جس جگہ ہے پریشان اور دل گرفتہ ہے۔ کاش شہر کے اندر بسنے والے اور شہر کے باہر رہنے والے ایک دوسرے کی موت اور زندگی سے واقف ہوتے۔

کلوداروغہ بہ سرکارِ موت اور زندگی سے واقف ہونا اور کفار لوگ اس وقت دیوانے ہو رہے ہیں ایک دوسرے کو کون پہچانتا ہے سب کو اپنی اپنی بڑی ہے۔ بھائی بھائی سے ناواقف سب اپنے اپنے عالم میں گرفتار ہیں۔

مرزا غالب :- انسانیت لٹ رہی ہے پرانی قدریں برباد ہو رہی ہیں آباؤ گھرنٹ رہا ہے مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ حکومت کس کی ہو غم تو اس کا ہے وہی بڑی طرح سے اُجڑ رہا ہے۔

کلو واروغہ :- سرکار وہی کا غم کہاں تک کیجئے۔ آنکھوں دیکھتے دیکھتے یہ شہر کتنی بار لٹا گیا۔

مرزا غالب :- کوئی ان ہندوستانیوں سے کہے۔ اے انصاف کی تعریف کرنے والے اور ظلم کو برا کہنے والے حق پرستو اگر ظلم کی مذمت اور انصاف کی تعریف میں تمہاری زبان اور تمہارا دل ایک ہے تو خدا کے واسطے ہندوستانیوں کا طرز عمل یاد کرو۔

کلو واروغہ :- سرکار ہندوستانی اپنے کو بالکل بھول گئے ہیں کہیں مذہب کی بڑائی ہے کہیں سلطنت کی۔ عجیب نوج کھسٹ ہے۔

مرزا غالب :- کیا بتایا جاوے کلہ ہندوستانیوں نے اپنے آقاؤں کے مقابلے میں تلوار اٹھا کر بے چاری عورتوں اور گور میں کھیلتے ہوئے بچوں کو قتل کر ڈالا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اپنے آقا سے بے وفائی کرنا گناہ ہے۔

کلو واروغہ :- سرکار اس میں کہاں تک جس نے اپنے آقا سے

بے وفائی کی اس کے دین و دنیا دونوں پر بادِ شمال کے طور پر میں آپ کا خادم ہوں آپ سے بے وفائی کر کے کہاں رہ سکتا ہوں۔

مرزا غالب :- اس کے برعکس انگریزوں کو دیکھو کہ جب دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے لڑنے اٹھے اور کٹا ہیکاروں کو سزا دینے کے لئے لشکر آراستہ کیا تو موقع تھا قابض ہونے کے بعد کہتے ہی کوہی زندہ نہ تھوڑتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

کلو داروغہ :- سرکار انگریز بہت چالاک قوم ہے۔ بڑی چالاک سے کام نکالتی ہے۔ چالاک نہ ہوتے تو سندھ و تان میں سکر کیسے جمائیتے۔ یہ قوم موقع اور محل دیکھ کر کام کر تی بھڑ بھریوں کی طرح ہیں۔

مرزا غالب :- کلویں تو بنی آدم کو سلیمان ہو یا ہندو یا عیسائی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے۔

اتنے میں دروازے پر دستک کلو داروغہ اپنے لڑکے نیاز علی کو آواز دیتے ہوئے :- بیٹا دیکھنا چھانک چھانک کون ہے۔ ہوشیاری سے چھانک کھولنا۔ پہلے چھانک کر دیکھ لینا۔ پھر نام پوچھنا۔

نیا ز علی۔۔ ابابہ رقعہ کوئی دے گیا ہے کلو داروغہ نیاز علی
کے ہاتھ سے رقعہ لیتے ہوئے مرزا غالب کے پاس
پہنچ جاتے ہیں۔

کلو داروغہ :- سرکار کوئی یہ رقعہ دے گیا ہے۔
مرزا غالب رقعہ کھول کر دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں سے
خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں

کلو داروغہ :- سرکار کیا بات ہے کیوں خاموش ہو گئے رقعہ
پڑھتے ہی کوئی خاص بات جان پڑتی ہے۔

مرزا غالب :- کیا بیان کیا جائے کلر ہندوستانیوں میں کچھ
عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد۔ کچھ معشوق سو وہ سب خاک میں
مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اپنے
عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زہیت کیونکر نہ دشوار ہو جائے
اسنے یار مرے کہ اب میں مردوں گا تو کوئی رونے والا بھی
نہ ہوگا۔

کلو داروغہ :- سرکار رقعہ کی بابت آپ نے کچھ نہیں بتایا
اس میں کیا لکھا ہے کوئی خاص بات ضرور ہے۔
مرزا غالب :- یہ رقعہ مفتی صدر الدین کے مکان سے آیا ہے
لکھا ہے کہ مفتی صاحب قید کر لئے گئے۔ ان کے علاوہ
مولانا فضل حق خیر آبادی کو کالے پانی کی سزا ملی ہے

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور غلام قمر الدین بھی قید ہو چکے
ہیں۔ ان کے علاوہ صہبائی، سیف الدین حیدر خاں،
کلیم رضی الدین خاں، مولوی محمد باقر، احمد حسین خاں
مارے گئے یا پھانسی پائی۔

کلوداروغہ:۔ خدا ان سب پر رحم کرے۔
اتنے میں مدار خاں، دیوان خانے میں دوڑتا ہوا داخل
ہوتا ہے سرکار غضب ہو گیا۔

مرزا غالب:۔ سرخوہ سخن میں نسل کر دیکھئے۔ کچھ انگریز
سامنے والی دیوار پر چڑھ کر گلی میں کود رہے ہیں۔
راجہ زیند رسنگھ کے سپاہیوں نے انکو روکنے کی کوشش
کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

مرزا غالب ابھی سخن میں آنے ہی تھے کہ چند انگریز انکے
سکان کے اندر گھس آئے لیکن انہوں نے مرزا کی کسی چیز کو
ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ دونوں بچوں، کلوداروغہ نیاز علی
اور مدار خاں، مرزا غالب اور کچھ پڑوسیوں کو پکڑ لے گئے
اور دو فلائنگ ہیل چل کر کرنل براؤن کے سامنے پیش کر دیا
جو قطب الدین سوڈاگر کی حویلی میں مقیم ہیں۔ کرنل براؤن نے
مرزا کے ساتھ انتہائی شریفانہ طریقے سے بات چیت کی۔
کرنل براؤن:۔ تمہارا نام کیا ہے۔

مرزا غالب :- مجھے ناچیز کو مرزا اسد اللہ خاں غالب کہتے ہیں
کرنل براؤن :- تمہارا پیشہ کیا ہے۔

مرزا غالب :- حضور پرانا وظیفہ خوار ہوں۔

کرنل براؤن :- دل مرزا تو تم مسلمان ہے۔

مرزا غالب :- حضور آدھا مسلمان ہوں۔

کرنل براؤن :- آدھا مسلمان کیا۔ اس کا مطلب۔

مرزا غالب :- آدھا یوں کہ شراب پیتا ہوں۔ سو نہیں کھاتا ہوں

کرنل براؤن :- دل مرزا ہم تمہاری بات جیت سے بہت متاثر

ہوا تم کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے۔

سکان واپس آئے ہی مرزا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور بان

جم مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر رہتا ہے خیر لایا ہے۔ پانچ روز

تپ و تپ میں مبتلا رہ کر آج آدھی رات گزرے آپ کے بھائی

مرزا یوسف کا انتقال ہو گیا ہے۔

مرزا غالب جن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ رہا

ہے دربان سے کہتے ہیں اس وقت نہ کفن کے لئے کپڑا بازار سے

مل سکتا ہے۔ غمناک اور گورکن کہاں سے آئیں گے۔

کلوداروغہ :- سرکار صبر سے کام لیجئے خدا کی ہی مرضی ہے۔

پریشان نہ ہوں بیٹا لے کی فوج کے سپاہیوں کے ذریعہ

سب کچھ ہو جائے گا۔ بھینر و تکفین کے سارے کام خود انجام

دسے لئے جائیں گے گورنر اور غسال ایسی حالت میں نہ ملیں
نہ ہی۔

مرزا یوسف کا مکان مرزا غالب کے مکان سے تقریباً
دو ہزار قدم پر ہے داروغہ کلونے دو سفید چادریں ساتھ لیں
اور سب لوگ مرزا یوسف کے مکان کی طرف چل دیے آگے
آگے پٹیاے کی فوج کا ایک سپاہی حفاظت کے لئے چل رہا
ہے۔ سب لوگ مرزا یوسف کے مکان پر پہنچ چکے ہیں۔ بعد
غسل کے سجد کے صحن میں جو مکان کے قریب ہے مرزا یوسف کو
دفن کر دیا گیا ہے۔

اجانک اکیس توپوں کی آواز سنائی دیتی ہے معلوم ہوا ہے
کہ انگریزوں کو کسی دوسری جگہ باغیوں پر فتح حاصل ہوئی ہے
جس کے جشن سرت کا آغاز کیا گیا ہے۔

چوتھا ایکٹ

دیوان خانے میں مرزا غالب کئی تکلیوں کی ٹیک لگائے
بیٹھے ہیں میر مہدی مجروح جو غالب کے خاص شاگردوں میں
ہیں۔ دیوان خانے میں داخل ہوتے ہیں۔

۱۴۰

میر ہمدی مجروح :- استاد محترم السلام علیکم
مرزا غالب :- سلام کا جواب دیتے ہوئے مجروح سے بیٹھ
جانے کے لئے کہتے ہیں۔
میر ہمدی مجروح :- بعد سلام کے مرزا کی طبیعت کا حال پوچھتے
ہیں۔

مرزا غالب :- بھی میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ
روز میں ہمسایوں سے پوچھنا۔ کل ہی بہوشی طاری ہو گئی
تھی کچھ دیر کے لئے آرام ہو گیا لیکن پھر وہی حالت ہو گئی۔
آج کچھ طبیعت ٹھیک ہے

میر ہمدی مجروح :- ایسی حالت میں آپ کو مکمل آرام کی ضرورت
ہے۔ اشعار کی اصلاح اور زیادہ لوگوں سے ملنے جلنے
سے گریز کیجئے۔

مرزا غالب :- بھی مجروح کیا پوچھتے ہو اخیر عمر میں خود اشعار
کی اصلاح دینے سے گھر آتا ہوں لیکن جہاں تک ہو سکتا ہے
احباب کی فہرست بجالاتا ہوں۔ نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے
نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے نہ کانوں سے سنا جائے۔
میر ہمدی مجروح :- مجبوری تو یہ ہے کہ آپ کا اخلاق اتنا
وسیع ہے کہ کسی ہی حالت میں دوستوں کو خط ضرور لکھتے ہیں
آپ کو آرام چاہئے لگ تو آپ کا بیجا کبھی نہ چھوڑنا چاہیں گے

مرزا غالب :- بھی آرام کی کیا کہتے ہو آرام تو مر کر ہی نصیب ہوگا
لاکھ لکھتا ہوں کہ متوقع ہے کہ میرے دوست خدمت اصلاح
اشعار سے مجھ کو سوا ف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت
سے ہو سکے گا لکھ دیا کروں گا باوجود اسکے بھی لوگ برابر تاتے
رہتے ہیں

میر ہمدی مجروح :- خدا کے واسطے اپنے پر رحم کیجئے خطوط شوقیہ
سے بھی پرہیز کیجئے۔ کمزوری کے باعث آپ پر بہوشی طاری
ہو جاتی ہے اشعار کی اصلاح دینا بالکل بند کر دیجئے۔
مرزا غالب :- بھی تم کیا بات کرتے ہو ایک دفعہ جب میں نے
مرزا نقیہ سے معذرت چاہی تو انہوں نے اپنے خط میں لکھا
ہر سبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی۔ پوچھئے
لا حول ولا قوتہ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح
منظور کی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار
میں نے بطریق قہر درویش برجان درویش لکھا تھا۔
میر ہمدی مجروح :- اسناد محترم اب اجازت دیجئے اور آپ
آرام کیجئے۔

مرزا غالب :- اچھا خدا حافظ۔ جیتے رہو۔
میر ہمدی مجروح کے جانے کے بعد مرزا پر بہوشی طاری ہو گئی

گلی قاسم جان میں ایک کہرام مچا ہے۔ دیوان خانے میں
مرزا اسد اللہ خاں غالب کی میت رکھی ہے۔ اس پر سفید چادر
ٹپڑی ہے۔ شہر کے ممتاز لوگ نواب ضیاء الدین احمد خاں۔
نواب مصطفیٰ خاں حکیم احسن اللہ خاں۔ مولانا لطاف حسین حالی
اور بہت سے لوگ جنازے کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ کچھ
لوگ زارو قطار رورہے ہیں۔ جلوس جنازہ گلی قاسم جان سے
گذر چکا ہے۔ جامع مسجد کی طرف وہاں سے وہلی دروازے
کی طرف اور پھر ورگاہ حضرت نظام الدین کے پاس آکر رک گیا
ہے۔ جنازے کے جلوس میں ہر فرقے کے لوگ سوجو رہے ہیں۔
مرزا اسد اللہ خاں غالب کو ورگاہ حضرت نظام الدین کے
پاس سپرد خاک کیا جا چکا ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون

۱۴۳

غائب کے اشعار سے

نبیت بازمی کا مقابلہ

ممتاز ہائر سکندری اسکول لکھنؤ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر جشن غالب کا اہتمام اور ایک سینار کا افتتاح بہت ہی شان و شوکت سے ہوا ہے۔ مختلف اسکول کے بچے اور بچیاں اس عظیم شاعر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اس جشن میں کئی دن سے شامل ہیں۔ غالب پر بچوں نے تقریریں۔ مقالے پیش کئے ہیں اور انکے لطیفے خوب خوب بیان ہوئے ہیں۔ غالب کی غزلیں بچوں نے ترم سے سنائی ہیں۔ بیت بازی کا ایک سلسلہ بھی کئی دن سے چل رہا ہے۔ اس مقابلے میں بہت سے بچے اور بچیوں کے اسکولوں نے جی کھول کر حصہ لیا ہے۔

اس مقابلے میں جیتنے والی ٹیم کے لئے ایک بہت ہی خوبصورت اور کئی چھوٹے کپ بطور انعام رکھے گئے ہیں سخن نغمہ لگ اچھے اشعار پر نبردینے کے لئے بحیثیت ناچ مقرر کئے گئے ہیں۔

آج اس تقریب کا آخری دن ہے اس کے ساتھ ساتھ بیت بازی میں ان ٹیموں کا مقابلہ بھی ہے جو فائنل میں پہنچ چکی ہیں۔ فائنل میں جیت کر آنے والی ٹیموں کو ایک دن پیشتر بتا دیا گیا ہے کہ وہ فائنل کے مقابلے میں صرف غالب کے

ہی اشعار دیں گے اس کے علاوہ کسی دوسرے شاعر کا ایک بھی شعر قبول نہیں کیا جائے گا۔

فائنل میں حصہ لینے والی ٹیموں کے نام :-

ٹیم نمبر ایک :- لکھنؤ ہائرسکلندری اسکول کی ٹیم
ٹیم نمبر دو :- تعلیم گاہ نسواں اسکول کی ٹیم۔

مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں اور بچیوں کے نام :-

ٹیم نمبر ایک :- خالدہ - آصف - نیر - منیر احمد

ٹیم نمبر دو :- طیبہ خاتون ظاہرہ خاتون - نجمہ - ثریا۔

ایک شعر کے لئے :- زیادہ سے زیادہ پانچ نمبر

مات دینے والی ٹیم کے لئے - خصوصی تیس نمبر۔

اسکول کے بڑے ہال میں فریش لگا ہے۔ ہال رنگ

برنگے کاغذ کے پھولوں اور تھنڈیوں سے سجایا گیا ہے۔

سامنے ڈانس کے پیچھے بالکل بیچ میں مرزا غالب کی بڑی

سی ایک تصویر لگی ہے۔

سامنے کی طرف کئی تخت ملا کر ڈانس تیار کیا گیا ہے۔

جس پر مٹھی تالین بچھا ہے۔ بیچ میں ایک بڑا گاؤتکیہ

صدر پانچ کے لئے رکھا ہے۔ ڈانس کے دروازوں طرف

چھوٹے چھوٹے گاؤتکیے بہت بازی میں حصہ لینے والے بچوں

کے لئے رکھے ہیں ان چھوٹے چھوٹے گاؤتکیوں کے سامنے

دونوں طرف مقابلے کی دونوں ٹیموں کے لئے ایک ایک مالک رکھا ہے۔ بچے بالکل خاموش ہیں۔

ڈائریس پیرنج کے علاوہ سخن فہم مہمان اور اساتذہ کے بیٹھنے کے لئے کافی جگہ چھڑی گئی ہے۔ بعض اساتذہ بچوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے ہال کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ آج کا مقابلہ شروع ہونے والا ہے۔ بچے خاموش ہیں۔ عالی جناب شجاعت علی سندیلوی لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی ججی کے فرائنس انجام دے رہے ہیں۔ دستور کے مطابق بیت بازی کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہو چکا ہے۔ جس کا جواب سن بہ گویم جواب بسم اللہ سے دیا جا چکا ہے۔

اب ٹیم نمبر ایک کی باری ہے۔ مالک کے پاس جو قریب ہی رکھا ہے خالد تھوڑا کھسک کر پہنچے ہی آچکے ہیں اور اب غالب کا مندرجہ ذیل شعر جواب میں دے رہے ہیں۔

۱۔ خالد :- ترخم کے ساتھ۔
۲۔ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

۳۔ طیب :- ترخم سے

۴۔ کیونکر اس بات سے رکھوں جان عزیز

کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

۱۔ خالد اپنے مخصوص ترنم کے ساتھ۔

ن — زخم نے داؤد نہ وی نکلے دل کی یارب

ترجی سینہ بسمل سے پُرافشاں نکلا

۲۔ طیبہ:۔ بہت ہی نرم و نازک لہجے میں ترنم کے ساتھ

۱۔ اے پر تو خورشید جہاں تاب ادھر بھی

سائے کی طرح ہم پر عجب وقت پڑا ہے

۱۔ خالد سچ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے زور و آواز ترنم کے ساتھ

ب — یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے

لوح جہاں پر حرف مکر نہیں ہوں میں

۲۔ طیبہ:۔ ادنیٰ آواز میں۔ دروانگیز ترنم کے ساتھ۔

ن — نہ کہو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں

مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے

۱۔ خالد پاٹ دار آواز میں۔

ب — یہ سائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ باوہ خوار ہوتا

۲۔ طیبہ:۔ انتہائی تکنت کے ساتھ۔

۱۔ اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند

واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در کھلا

ڈانس پر بیٹھے ہوئے بزرگوں کی طرف سے سبحان اللہ۔

ماشا راشد کی آواز میں۔
 ۱۔ خالد:- کچھ سوچتے ہوئے پھر اچانک ڈانس پر بیٹھے ہوئے
 لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔
 ۱۔ آتا ہے داغ حسرت ول کا شمار۔ یاد
 مجھ سے مرے گزرا حساب سے خزانہ مانگ

۲۔ طیبہ:-
 گہ۔ سخنِ بزمینہ معنی کا طلسم اسکر سمجھے جو لفظ کہ غالب مرے لشکار میں آئے

۱۔ خالد:- پاٹ وار آواز میں
 ب۔ یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 دے اور دل انکو جو نہ دے مجھ کو زبان اور
 ۲۔ طیبہ:- انتہائی درد بھری آواز میں بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے
 ۳۔ رہے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
 ۱۔ خالد:- ٹیم نمبر ورنہ کی بچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔ تم کے ساتھ
 و۔ وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر چھوڑنا ٹھہرا
 تو پھر اے سنگدل تیری سنگ آستان کیوں ہو
 ۲۔ طیبہ:-

و۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
 مرے بت خانے میں تو کعبے میں گارو برہمن کو

۱۔ خالد:۔ بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے پاٹ وار آواز میں
 و — باوتھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
 لیکن اب نقش و نگار طاق لسیاں ہو گئیں
 ۱۔ خالد:۔ طیبہ کو مخاطب کرتے ہوئے

نزد امن ہے بیدار دوست جاں کے لئے
 رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے
 طیبہ:۔ مخصوص ترنم کے ساتھ۔ ورو بھری آواز میں
 ی:۔ یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
 حق مغفرت کرے عجیب آزاد مرد تھا
 خالد:۔ پاٹ وار آواز میں مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے۔

۲۔ آو کو یا ہنے اک عمر اثر ہونے تک
 کون بنتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
 طیبہ:۔ خالد کو مخاطب کرتے ہیں۔

۳۔ کسی کو دے کے دل کوئی نوا سچ فغاں کیوں ہو
 نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر سننے میں زباں کیوں ہو

خالد:۔ اونچی آواز و دوسری نیم کی لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔
 و۔ واسے دیرانگی شوق کہ ہر دم محبو آپ جانا اور آہ رآپ ہی حیراں ہوتا
 طیبہ:۔ ورو انکی بیچے میں۔

۴۔ آئے سے بے گسٹ عشق پہ رونا غالب
 گسٹ کے گھر جانے کا سیلاب بلا میرے بعد

خالد:- شعر کا جواب دیتے ہوئے پاٹ وار آواز میں۔

و۔ اہم ہر سوج میں ہے حلقہ و صد کام ہننگ

رکھیں کیا گذرے ہے نظرے یہ گہر ہونے تک

طیب:- مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ترمیم کے ساتھ

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں

کہ آج بزم میں کچھ فنڈہ و فساد تو نہیں

خالد:- اونچی آواز میں شعر کا جواب دیتے ہوئے۔

ن۔ نثر لگے رکھیں اس کے دست دہارو کو

یہ لوگ کیوں مرے زخم بیکر کو دیکھتے ہیں

طیب:- خالد کو مخاطب کرتے ہوئے ترمیم کے ساتھ۔

ن۔ نفس نہ اٹھیں آرزو سے باہر

اگر شراب نہیں انتظار۔ ساء کھینچ

خالد سچ و سچی کے عالم میں خاموش بیجا ہے۔ غالباً (ج) کا

شعر اس کو یاد آ رہا ہے۔ اتنے میں آصف مالک کے پاس آجاتا ہے

اور خالد سچ سے پیچھے ٹھسک لیتا ہے۔ ہال میں تالیوں کی آواز۔ طیب

اپنی جگہ میں مسکرا رہی ہے۔ آصف مالک کے پاس آجاتا ہے۔ تحت میں

شعر کا جواب دے رہا ہے۔

آصف:- تحت کے ساتھ لیکن بہت ہی خوبصورت انداز سے۔

(ج) چھوڑوں گا میں نہ اس بت کا فریو جتا

چھوڑے نہ غلط گو کہتے کوئی ہے بغیر

طیبہ :- ترنم کے ساتھ
 س — رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
 رہتے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
 آصف :- تحت کے ساتھ مجمع کو مجنا طلب کرتے ہو سے
 ن — نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز
 کچھ دیر خاموشی۔ سارا ہال طیبہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لیکن طیبہ
 خاموش ہے اس کی نگاہ ظاہرہ نے لے لی ہے۔

ظاہرہ ٹانگ کے پاس آ کر ترنم سے شعر دیتی ہے
 من — زبان پر بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
 کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے
 آصف :- تحت میں۔

دی) یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
 بوسے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

ظاہرہ :- ترنم سے۔

و۔ وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
 آصف :- تحت میں

ن۔ نیند اس کی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

ظاہرہ :- ترنم سے۔

ن — نہ سونو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

آصف :- تخت میں

ی — یوں ہی گروتا رہا غالب تو اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ دیراں ہو گئیں

طاہرہ :- ترنم سے

ن — نہ وہ نائے کو اتنا طویل غالب محو لکھے وہ

کہ حسرت بچا ہوں عرض ستم ہاے جدائی کا

آصف :- تخت میں۔

ا — احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے

زنداں میں بھی خیال بیاباں نور و تھا

طاہرہ :- ترنم سے۔

آے سے بے کسی عشق پر رونا غالب

کس کے گھر جاے گا سیلاب بلا میرے بعد

آصف خاموش وہ کاشعراں کو یاد نہیں ہے۔ آصف کی

جگہ نمیر نے فوراً لے لی

ضیاء :- دورا نگیز ترنم کے ساتھ

د — دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز

پھر ترا وقت سفر یا و آیا

طاہرہ :- ترنم سے

۱۔ آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل جھرو وفا کا باپ تھا
منیں :- سر و پیش کے عالم میں پھر کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ آتا ہے
نیر کی جگہ فوراً منیر لے لیتا ہے۔
منیں :- دروانگیز ترنم میں۔

۲۔ ایک جا حروف و قائلکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرہ کا غڈ تر سے خطا کا غلط پروا رہے
طاہرہ :- سر و پیش کے عالم میں پھر اسکی جگہ بخر شردینا شروع
کرونی ہے۔

نجمہ :- باریک سر پٹی آواز میں

۱۔ یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں
یہ کافرقت طاقت رُبا کیا
منیں :- ترنم سے

۲۔ آئینہ کیوں نزدوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہیں جسے
نجمہ :- باریک سر پٹی آواز میں۔

یہ رات بھر کا ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پر اسے اہل انجمن تک

منیں۔ ترنم سے۔

۴۔ ہم سخن تیشتم نے فریاد کو شیریں سے کیا
 جس طرح کاکر کسی میں ہو مال اچھا سے
 منجمہ۔ ہی کا شعریا وہی ہے اس لئے ناموش ہے
 اور نغمہ کی جگہ ثریا نے لے لی ہے۔
 ثریا۔ تخت سے۔

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قباسے بڑھوانے
 رہ گیا آن کے واسن کے برابر سہرا

منیرہ۔ ترنم سے۔

۵۔ اب جفا سے بھی ہیں خروم تم اللہ
 اس قدر دشمن ارباب وفا ہونبات

ثریا۔ تخت میں۔

۶۔ اپنی سخی بڑ سے بوجو کچھ ہو
 آنکھی گر نہیں غفلت ہی تھی

منیاں۔ ترنم سے

یاں نظر کرتا تھا ریشی شیخ بزم بے خودی
 عبادہ گل واں بساط محبت اجباب تھا

ثریا۔ تخت میں۔

ٹکے جاتا کہاں کہ تاروں کا
 آسمان نے بچا رکھا تھا جال

ہنیں۔ ترغم سے
لوہم مرین عشق کے تیار دار میں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج
شریاء۔ سخت میں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہیں کیا کام
ویا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

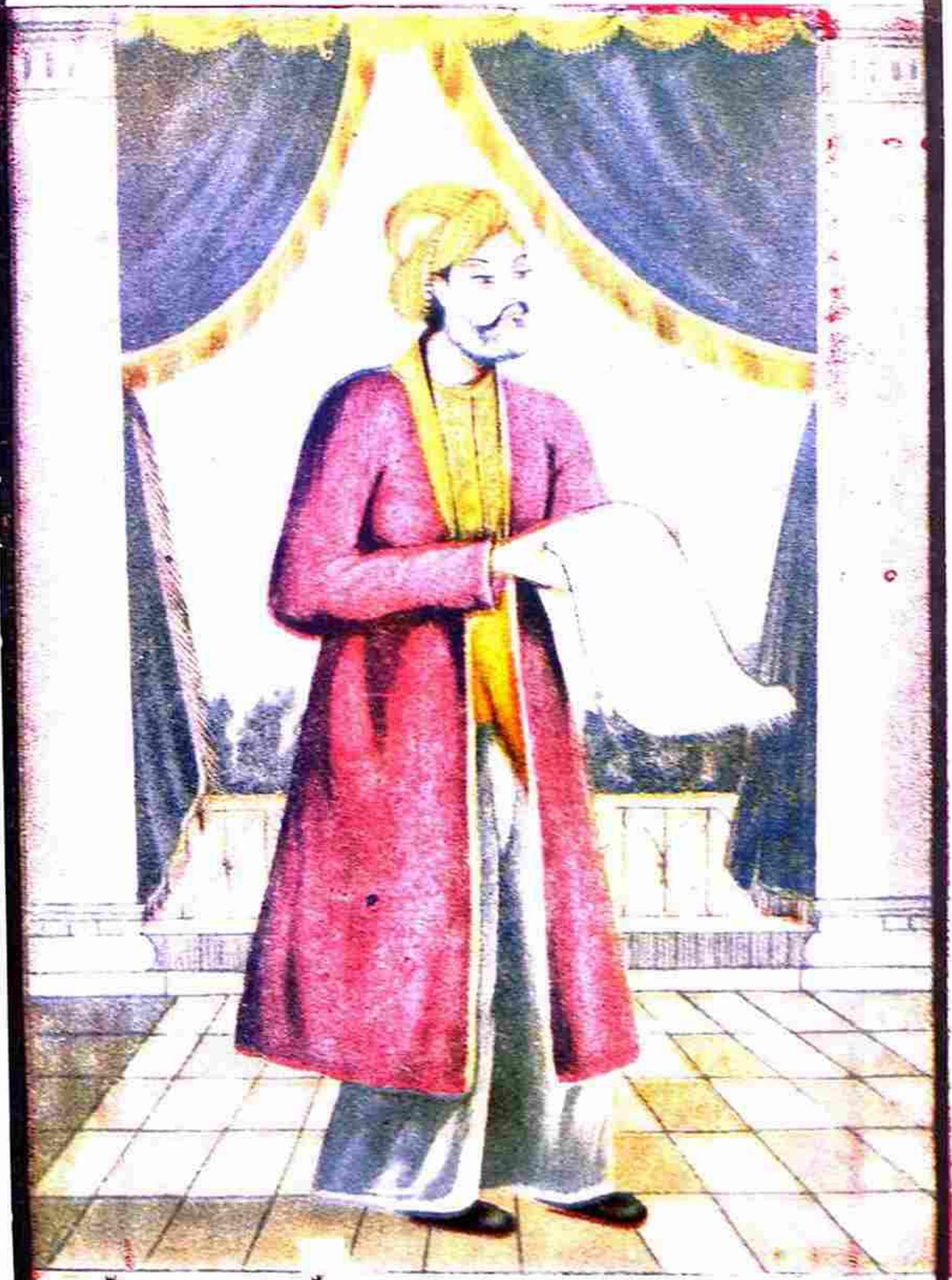
سیر۔ ترغم سے
نہ لانا صح سے غائب کیا ہوا گرا سنے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
شریاء۔ سخت میں

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ جاسے نہ چکا تو پھر ہو کیا ہے

ہنیں۔ ترغم سے
یہ نہ تھی ہاری قسمت کہ دصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
شریاء۔ سخت میں

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کنے جانتے ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں
سیر کو "ن" کا شعر یاد نہیں ہے اس لئے وہ بغلیں جھانک رہا

شہزادہ مبارک شہزادہ بہار الملک شہزادہ نظام جنگاں متخلف بہ غالب



غالب نام آورم نام و نشاں مپرس : ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہم